اُردو کی پانچویں کتاب

یہ کتاب پرائمری ایجوکیشن پروجیکٹ بلوچستان کی
طرف سے مفت تقسیم کی جارہی ہے اور ناقابلِ فروخت ہے

پانچویں جماعت کے لیے

پبلشرز: قلات سٹیشنرز اینڈ بکسیلرز، مستونگ (قلات ڈویژن)

برائے: بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ



اُردو کی پانچویں کتاب

پانچویں جماعت کے لیے



پبلشرز

قلات سٹیشنرز اینڈ بکسیلرز مستونگ، قلات ڈویژن

برائے

بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ

تیار کردہ :- بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ

منظور شدہ :- محکمہ تعلیم حکومت بلوچستان، بطور واحد نصابی کتاب

برائے مدارس صوبہ بلوچستان بمطابق نوٹیفکیشن نمبر

70- 8068/72-E-II/ 12 - 14 مؤرخہ 75 -9- 29

قومی کمیٹی برائے جائزہ کتب نصاب کی تصحیح شدہ

مصنفین

۱ - پروفیسر شمیم احمد

۲ - سید بختیار حسن (مرحوم)

۳ - سرور حسین ایوبی

مدیر :- پروفیسر طاہر فاروقی

پبلشرز :- قلات سٹیشنرز اینڈ بک سیلرز مستونگ، قلات ڈویژن

برائے :- بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ۔ کوئٹہ

طابع :- زمرد حسین

مطبع ۔ قلات پریس۔ رستم جی لین۔ جناح روڈ۔ کوئٹہ

فہرست

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

خدا کی تعریف

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی، کیا آسماں بنایا

مٹی سے بیل بوٹے، کیا خوشنما بنائے
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا

میوے لگائے کیا کیا، خوش ذائقہ رسیلے
چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں دہاں بنایا

سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی، روشنی بھی
کیا خوب چشمہ تُو نے اے مہرباں بنایا

سورج بنا کے تُو نے رونق جہاں کو بخشی
رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی
قدرت نے تیری اِن کو تسبیح خواں بنایا

تنکے اُٹھا اُٹھا کر لائیں کہاں کہاں سے
کس خوبصورتی سے اپنا پھر آشیاں بنایا

رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسّر
ان نعمتوں کا مجھ کو ہے قدرداں بنایا

آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تُو نے
مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی
یہ کارخانہ تُو نے کب رائگاں بنایا

اسمٰعیل میرٹھی

مشق

1- اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

2- اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں دی ہیں؟ اس نظم کی مدد سے لکھیے۔

3- ان لفظوں کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے:

بیل بوٹے۔ خلعت۔ شیریں دہاں۔ تسبیح خواں۔ آبِ رواں۔
کاری گری۔ رائگاں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک قبیلے کے لوگ اس حالت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اُن کے کپڑے پھٹے ہوئے، ننگے پاؤں اور بھوک سے پیٹ اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپؐ اس قدر بے چین ہو گئے کہ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر آجاتے تھے۔ آخر حضرت بلالؓ سے ارشاد فرمایا، کہ اذان دو تاکہ مسلمان جمع ہو جائیں۔ جب مسجد نبوی میں مسلمان جمع ہو گئے تو آپؐ نے تقریر فرمائی۔ سب مسلمانوں کو ان کی امداد کے لیے آمادہ کیا اور جب تک اُن پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور نہیں کر دی، آپؐ کو اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

ہندہ اسلام اور مسلمانوں کی سخت دشمن تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو ہندہ نے ان کا دل اور جگر اپنے دانتوں سے چبایا تھا۔ یہی ہندہ فتح مکہ کے دن جب اسلام قبول کرنے کے لیے آئیں تو چہرہ پر نقاب ڈال لیا کہ حضورؐ پہچان نہ سکیں۔ مگر آپؐ نے انھیں پہچان لیا اور عزیز چچا کی لاش کے ساتھ اس گستاخی پر اس کے سوا کچھ نہیں فرمایا کہ "ہندہ! تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تمھیں دیکھتے ہی مجھے پیارے چچا کی یاد آجاتی ہے۔"

اسی طرح کا واقعہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کا ہے۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح اسلام کا دشمن تھا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی بیوی اسلام قبول کر چکی تھی۔ وہ یمن گئی اور شوہر کو اسلام کی خوبیاں بتا کر مسلمان کر لیا۔ پھر اُسے ہمراہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ عکرمہ کو دیکھتے ہی بہت خوش ہوئے اور اس

کے سامنے بالکل بھی اظہار نہیں فرمایا کہ اس نے مسلمانوں کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائی تھیں، بلکہ رسولِ رحمت کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

"اے ہجرت کرنے والے سوار! تمہارا آنا مبارک ہو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک اور مبارک ذات دنیا کے لیے رحمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ مسلمان، کافر، دوست، دشمن، غریب، امیر، آقا، غلام، انسان اور حیوان بلکہ نباتات اور جمادات تک آپ کی رحمت سب کے لیے تھی، یتیموں پر تو آپؐ کی رحمت اس قدر تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "جب کوئی اللہ کے لیے کسی یتیم کے سر پہ ہاتھ پھیرتا ہے تو اس یتیم کے ہر بال کے بدلے میں اسے نیکیاں ملتی ہیں۔" اسی طرح آپ کا ارشاد ہے: "مسکینوں اور بیواؤں پر رحم کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔"

آپؐ کو غلاموں کا اتنا خیال تھا کہ وفات کے وقت آپؐ نے مسلمانوں کو خاص طور سے وصیت فرمائی کہ "غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔" ایک دفعہ حضرت ابو معوذ انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ آواز آئی: "اے ابو معوذ! تمہیں اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے، اس سے کہیں زیادہ خدا کو تم پر اختیار ہے۔" مڑ کر دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! میں نے اس غلام کو اللہ کے واسطے آزاد کیا۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم تک پہنچ جاتی۔"

ایک مرتبہ کوئی بدو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے بدو کو اتفاق سے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ مسجد کے آداب و احترام سے ناواقف تھا۔ وہیں ایک طرف کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہؓ ہر طرف سے دوڑے تا کہ اسے منع کریں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا "اسے پیشاب کر لینے دو اور پھر پانی کے ڈول بھر کر بہا دو۔ جگہ پاک ہو جائے گی۔ یاد رکھو! اللہ نے تمہیں دشواری کے لیے نہیں، آسانی کے لیے بھیجا ہے۔"

قریش نے آپؐ کو گالیاں دیں، راستے میں کانٹے بچھائے۔ آپؐ کے جسم مبارک پر نجاست پھینکی، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپؐ کی شان میں گستاخی اور بد زبانی کی، قتل کرنے کے منصوبے بنائے۔ اس کے باوجود آپؐ کی رحمت اس حد تک تھی کا یہ عالم تھا کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو آپؐ نے سب مکے والوں کو جمع کیا۔ اُن میں وہ سب دشمن موجود تھے جن کی تلواریں اور نیزے اکیس سال تک مسلمانوں پر برستے رہے تھے تھے۔ آپؐ اُن سے تمام ظلموں کا بدلہ لے سکتے تھے، مگر بدلہ لینا تو رہا ایک طرف، آپؐ نے ایسی کوئی بات بھی نہیں کی، جس سے انھیں شرمندگی ہی ہوتی۔ بس اتنا فرمایا :

"آج تم پر کوئی الزام اور پکڑ گرفت نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اس طرح قریش کے پچھلے تمام ظلم و ستم کو معاف فرما دیا۔ معافی اور رحم کی ایسی ایک بھی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔

سچ تو یہ ہے کہ آپؐ سب کے لیے رحمت تھے اور مسلمانوں کو بھی دوسروں پر مہربانی کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے "جو کسی پر رحم نہیں کرے گا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔"

کرو مہربانی تُم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

مشق

1- رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو رحمتِ عالم کیوں کہا گیا ہے؟ حضورؐ کی رحم دلی کے چند واقعات لکھیے۔

2- "جو کسی پر رحم نہیں کرے گا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔"
اس جملہ کے معنے آپ کیا سمجھے؟ تشریح کیجیے۔

وعدے کی پابندی

شریف آدمی جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو اسے ضرور پورا کرتا ہے اور سچا مسلمان تو اپنا وعدہ جان کے ساتھ نبھاتا ہے۔ اس کے لیے جان دینا آسان ہے، مگر وعدہ کر کے اس سے پھر جانا ناممکن ہے۔ یہ تعلیم ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ آپ وعدہ پورا کرنے کی ہمیشہ تاکید فرماتے تھے۔ وعدہ خلافی کرنے کو بہت برا جانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو وعدہ پورا نہیں کرتا، اس کا کوئی دین ہی نہیں۔ خود حضورؐ کا عمل یہ تھا کہ دنیا بدل جائے، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے، لیکن یہ ناممکن تھا کہ آپؐ اپنی بات سے ذرا بھی ادھر سے ادھر ہوں۔

مدینہ شریف میں جب مسلمانوں نے اپنی قوت کو مستحکم کر لیا تو آپؐ نے مکے جا کر اللہ کے گھر کی زیارت کا ارادہ کیا۔ بہت سے مہاجر اور دوسرے مسلمان بھی آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مہاجروں کو اپنے گھر چھوڑے ہوئے تقریباً چھ سال گذر چکے تھے۔ خانہ کعبہ اور وطن کی محبت نے ان میں بہت شوق پیدا کر دیا تھا۔ حضورؐ اور صحابہؓ مکے کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ لوگ مکے کے قریب پہنچے تو وہاں کے کافروں کو پتا چلا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت رسول اللہؐ کے ساتھ مکے آ رہی ہے۔ وہ سمجھے کہ شاید مسلمان جنگ کرنے آ رہے ہیں۔ انھوں نے جنگ کی تیاریاں کر لیں اور مسلمانوں کو روکنے کے لیے چل پڑے۔ آپؐ کو بھی خبر مل گئی کہ قریش اس ارادے سے آ رہے ہیں۔ آپؐ نے انھیں کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے، صرف اللہ کے گھر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، زیارت کر کے لوٹ جائیں گے۔ مگر قریش اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آخر کئی روز کی بات چیت کے بعد صلح ہو گئی۔

صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قبیلۂ قریش کا کوئی آدمی مدینے جائے گا تو مسلمان اسے نہیں روکیں گے اور قریش کے پاس مکے واپس کر دیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان

مدینے سے مکے جائے گا تو اُسے وہیں روک لیا جائے گا اور قریش اُسے واپس نہیں کریں گے۔ اس شرط کو مسلمان پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر آپؐ نے اللہ کے حکم سے یہ شرط بھی مان لی۔ ابھی یہ شرطیں طے ہو رہی تھیں کہ ایک صحابی حضرت ابوجندلؓ جنہیں مسلمان ہونے کی وجہ سے مکے کے کافروں نے قید کر رکھا تھا، اس حال میں حضورؐ کے سامنے پہنچے کہ پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور زخموں سے خون بہ رہا تھا شرط کے مطابق کافروں نے کہا کہ ابوجندلؓ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ ابھی تک شرط نامے پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ مسلمان بھی کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اپنے ایک مسلمان بھائی کو ظالم کافروں کے حوالے کر دیں۔ مگر حضورؐ اُن سے وعدہ کر چکے تھے، اس لیے آپؐ نے فرمایا۔ "اے ابوجندل! ہم اپنا عہد نہیں توڑیں گے اور تمھیں کافروں کے پاس واپس جانا پڑے گا۔ جاؤ، اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے گا۔" زخموں سے چور ابوجندلؓ نے اپنے پیارے آقا کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور اطمینان کے ساتھ قریش کے پاس واپس آ گئے۔ اپنا وعدہ پورا کرنے کی ایسی مثال اسلام کے علاوہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

ہمارے رسول پاکؐ نے اپنے قول کے پاس کا جو نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا، سچے مسلمانوں نے بھی دل وجان سے اس پر عمل کیا۔ آئیے ہم آپ کو سچے مسلمانوں کا ایک سچا واقعہ سناتے ہیں۔

استانبول ترکیہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ روم کے مشہور بادشاہ قسطنطین کی سلطنت کا یہ مرکز تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام قسطنطنیہ پڑ گیا تھا۔ رومی سلطنت کی حد اسلامی حکومت سے ملتی تھی اور آئے دن رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لڑائیوں میں لوگ قیدی بن جاتے تھے۔ جب صلح ہو جاتی تو یہ قیدی آزاد ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یورپ والوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے انھیں روکنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکے ۔ رومی فوجیں پیچھے ہٹتے ہٹتے قسطنطنیہ پہنچ کر شہر بند ہو گئیں اور دشمن نے شہر کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اس وقت کچھ مسلمان رومیوں کی قید میں تھے اور انھیں آزاد کرانے کی بات چیت چل رہی تھی۔ رومیوں کو یہ ڈر بھی تھا کہ شہر کے اندر مسلمان قیدی موجود ہیں اور شہر کو دشمنوں نے گھیرا ہوا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قید خانے کے دروازے توڑ کر آزاد ہو جائیں اور پھر شہر کے دروازے کھول کر دشمن کے ساتھ مل جائیں۔ رومی بادشاہ نے بہت سوچ بچار کے بعد مسلمان قیدیوں کو بلا کر کہا کہ شہر کو دشمنوں نے گھیرا ہوا ہے اگر تم دشمنوں سے لڑو تو ہم تمھیں ہتھیار دے دیں گے۔ رومیوں کا یہ خیال تھا کہ ایک تو مسلمانوں کے اندر رہنے سے جو خطرہ ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان دشمنوں سے لڑیں گے اور کچھ نہ کچھ نقصان ضرور پہنچائیں گے۔ مسلمان کب چاہتے تھے کہ وہ قید میں رہیں، وہ فوراً لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ رومیوں سے ہتھیار لے کر وہ جونہی شہر سے باہر نکلے رومیوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی مگر بہادر مسلمانوں نے تعداد کم ہونے کا کبھی خیال ہی نہیں کیا۔ باہر نکلتے ہی ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن گھبرا گیا اور تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد جو بھاگا ہے تو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

جب میدان دشمنوں سے صاف ہو گیا تو مسلمان شہر کے دروازے پر پہنچے، مگر رومی دروازہ کھولنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ انھیں خوف ہوا کہ جن تھوڑے سے بہادر مسلمانوں نے ایسے زبردست دشمن کو بھگا دیا، اگر وہ شہر میں داخل ہو کر ہم سے لڑنے لگے تو کون ان کا مقابلہ کرے گا۔ رومیوں نے شہر کی دیوار پر بیٹھ کر مسلمانوں سے کہا "تم آزاد ہو، اپنے وطن واپس چلے جاؤ"۔ مسلمانوں نے جواب دیا "ہم تمھارے قیدی ہیں۔ ہم نے تم سے دشمن کے ساتھ لڑنے کا اقرار کیا تھا۔ آزادی کا وعدہ نہیں لیا تھا۔ اب دشمنوں

کو بھگا کر ہم قید ہی میں رہیں گے"۔ رومیوں نے کہا "ہم تمہارے شکر گذار ہیں اور اب خوشی سے اجازت دیتے ہیں کہ اپنے وطن چلے جاؤ" مسلمانوں نے کہا "اچھا، اپنے ہتھیار ہم سے لے لو جو ہمارے پاس تمہاری امانت ہیں"۔ انھوں نے کہا "ہم اپنا ایک افسر باہر بھیج رہے ہیں، ہتھیار اُسے دے دو"۔ مسلمانوں نے رومی افسر کو ہتھیار دے دیے اور ہنسی خوشی گھروں کی طرف چل پڑے۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ اسلامی حکومت کا قاصد ملا جو رُومی بادشاہ کے پاس پیغام لے کر جا رہا تھا کہ تم مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دو ہم ان کے بدلے میں رومی قیدیوں کو چھوڑ دیں گے۔ مسلمان قیدی اگرچہ اپنی بہادری کی وجہ سے آزاد ہُوئے تھے، لیکن اسلامی حکومت نے جن رومی قیدیوں کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا، انھیں آزاد کر دیا۔ روم کا بادشاہ اور اس کی رعایا مسلمانوں کے بہت احسان مند ہوئے کہ مسلمان قیدیوں کی وجہ سے ایک سخت دشمن سے بھی نجات مل گئی اور رومی قیدی بھی آزاد ہو گئے۔

دنیا کی تاریخ میں وعدہ پُورا کرنے اور بہادری کا ایسا واقعہ ملنا مشکل ہے جو قسطنطنیہ میں مسلمان قیدیوں نے پیش کیا۔

مشق

۱۔ وعدے کی پابندی کا کوئی واقعہ کسی کتاب سے پڑھ کر یا استاد صاحب سے سُن کر لکھیے۔

۲۔ ان لفظوں پر اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش) لگائیے۔

قریش۔ صحابی۔ ابرجندل۔ قسطنطنیہ۔ عہد۔

۳۔ قید سے "قیدی" بنا ہے۔ آپ ان الفاظ کے آخر میں "ی" لگائیے اور بتائیے کہ معنیٰ میں کیا تبدیلی ہُوئی۔

آزاد۔ بہادر۔ تاریخ۔ اسلام۔ زخم۔ دشمن۔ دوست۔ شہر۔ زبردست۔ خوش

بلوچستان ہے میرا نام

میں پاکستان کا ایک صوبہ ہوں۔ میرا نام بلوچستان ہے۔ آپ نے اگر پاکستان کا نقشہ دیکھا ہو تو اس میں جو حصہ شیر کے منہ کی طرح نکلا ہوا ہے، میں پاکستان کا وہی حصہ ہوں۔ میری آبادی پاکستان کے ہر صوبے سے کم ہے مگر میرا رقبہ بہت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا بہت بڑا علاقہ پہاڑی ہے اور کچھ حصے پر ریگستان پھیلا ہوا ہے۔ پانی کی کمی کی وجہ سے میری زرخیز زمین سے وہ کام نہیں لیا جاسکا جو ملک کے دوسرے صوبوں میں لیا جاتا ہے۔ میں جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کا بہت اہم صوبہ ہوں

میرے شمال میں افغانستان اور صوبہ سرحد، جنوب میں بحیرۂ عرب، مشرق میں سندھ اور مغرب میں ایران واقع ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ میری تاریخی اہمیت بہت بڑی ہے، میں دنیا کی قدیم تہذیبوں میں ایک خاص مقام رکھتا ہوں اور دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی گذرگاہ رہا ہوں۔ ہزاروں برس پہلے میرے سینے پر بڑی بڑی تہذیبیں اور عظیم سلطنتیں پھولی پھلی ہیں۔ اگرچہ آج میں اتنا ترقی یافتہ تو نہیں جتنے پاکستان کے دوسرے صوبے ہیں، مگر تیزی سے اپنی حالت بدل رہا ہوں۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے میں پیچھے رہ گیا تھا، مگر اب روز بروز تعلیم میں ترقی ہو رہی ہے اور بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے، جب میں پاکستان کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کروں گا۔ اگر میرے ایک ہی شہر کوئٹہ پر نظر ڈالی جائے تو میری ترقی کی رفتار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ میرے سینے پر زیارت کا پُر فضا مقام بھی ہے جہاں بانئ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی کے آخری ایام گذارے تھے۔

میری آغوش میں آباد باشندوں کی اکثریت کا مذہب اسلام ہے اور میرا شمار اُن مسلم علاقوں میں کیا جاتا ہے، جہاں ۹۹٪ آبادی مسلمانوں کی ہے اور اسی وجہ سے میں پاکستان

کے نام کے آخری جزو یعنی "تان" میں نمایاں طور پر شامل ہوں۔

میرے ان مسلمان باشندوں میں یوں تو بہت سی نسلوں کے لوگ آباد ہیں، مگر بلوچ اور پٹھان قبائل سب سے زیادہ ہیں۔ ویسے تو ہر قوم میرے کشادہ سینے پر آباد ہے مگر چونکہ میں قدیم زمانے میں بلوچ اور پٹھان قبائل کا خطّہ رہا ہوں اس لیے میرے باشندوں کی زندگی پر اسلامی اثرات کے ساتھ ساتھ قبائلی روایات کا اثر بہت نمایاں ہے۔ قبائلی بہت وطن دوست ہوتے ہیں، ملک کے لیے جان قربان کر دینا ان کے لیے ایک معمولی بات ہے۔ بہادری، مہمان نوازی اور وعدے کی پابندی میرے باشندوں کی ایسی خصوصیات ہیں جن سے وہ سارے ملک میں پہچانے جاتے ہیں۔

میرے بہادر بیٹوں اور بیٹیوں کی سب سے بڑی خصوصیت اُن کی غیرت کا جذبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں دوسرے کی عزت کو اتنا ہی عزیز سمجھا جاتا ہے جتنا اپنی عزت کو۔ عورتوں کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ بلوچ اور پٹھان باشندے اپنی ان تمام خصوصیات اور روایات کے لیے جان دینا معمولی بات سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت مہمان نواز، خلیق، نرم مزاج، مہذّب اور شائستہ ہوتے ہیں اور ان کے مزاج کی تعمیر و تربیت ماں کی آغوش سے ہونے لگتی ہے۔ ہر ماں بچے کو ابتدا سے وہی سکھاتی ہے، جو اسلام اور قبیلے کی روایت ہوتی ہے۔

میرے باشندے قومی زبان اُردو کے علاوہ تین بڑی مقامی زبانیں بولتے ہیں۔ بلوچی براہوی اور پشتو، لیکن اُردو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ذریعۂ تعلیم بھی یہی ہے۔ میری ان زبانوں میں بہت سی قدیم کہانیاں، قصے اور نظمیں پائی جاتی ہیں، جن کو یہاں کی لوک کہانیاں اور گیت کہنا چاہیے۔ ان سب کہانیوں اور گیتوں سے بھی بہادری، مہمان نوازی، دوسروں کی عزّت اور اپنی آن پر جان قربان کر دینے کا سبق دیا جاتا ہے۔ یہ کہانیاں میرے بچّے آنکھ کھولتے ہی سننے لگتے ہیں اور اُن میں شجاعت، مستقل مزاجی اور عزت و آبرو کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی افواج میں میرے سپاہیوں کی بہت عزّت اور قدر کی جاتی ہے۔

میرے باشندے تہوار اور میلے بہت خوشی اور مسرت سے مناتے ہیں۔ سب سے زیادہ جوش و خروش عید اور بقرعید کے موقعوں پر دکھائی دیتا ہے۔ ویسے تو یہ تہوار تمام پاکستان میں بہت جوش و خروش سے منائے جاتے ہیں، مگر میرے بیٹے ان کو قبائلی روایات کے ساتھ مناتے ہیں اور تیر اندازی، شہسواری، نشانہ بازی اور دوڑوں کے عام مقابلے ہوتے ہیں۔ قبائلی رقص تہواروں کی خوشی میں اور جان ڈال دیتے ہیں۔ ان تقریبات میں میرے باشندے ایسے لوک گیت گاتے ہیں، جن کے ایک ایک لفظ سے بہادری اور شجاعت ٹپکتی ہے۔

میرے پہاڑ معدنیات سے بھرے ہوئے ہیں۔ کوئلہ میرے پہاڑوں سے نکالا جاتا ہے۔ میرا سنگِ مرمر دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ نہایت خوبصورت اور کئی کئی رنگ کا ہوتا ہے۔ سوئی گیس بھی میری ہی زمین سے نکلی ہے اور ابھی تو میرے اندر سینکڑوں خزانے پوشیدہ ہیں، جن کی تلاش کی جا رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بہت بڑا کردار ادا کروں گا۔

غرض میں ہوں تو بلوچستان، مگر پاکستان کا ایک ایسا حصہ ہوں جو اس کی تاریخ، تہذیب اور شجاعت کے نمایاں باب کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اسلام اور پاکستان کی محبت میری رگ رگ میں رچی بسی ہے۔

پاکستان زندہ باد

مشق

۱۔ بلوچستان کے باشندوں کی خصوصیات لکھیے۔

2۔ بلوچستان کی کانوں سے کیا کیا چیزیں نکالی گئی ہیں؟

3۔ لوک گیت اور لوک کہانیاں کیا ہوتی ہیں۔؟

4۔ ان لفظوں کے معنی لغت سے تلاش کر کے لکھیے۔

قدیم۔ عظیم۔ نمایاں۔ پُرفضا۔ خطہ۔ غیرت۔ جذبہ۔ خلیق۔ شائستہ۔ معدنیات۔

5۔ نسلوں جمع ہے۔ نسل واحد ہے۔ اس کے بعد (وں) بڑھا کر جمع بنائی گئی ہے۔ آپ بھی اسی طرح ان الفاظ سے جمع بنائیے:۔ شیر۔ تہذیب۔ شہر۔ بلوچ۔ پٹھان۔ بہادر۔ مہمان۔ نظم۔ فوج۔ تہوار۔

سوہنی دھرتی

سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

تیرا ہر اک ذرّہ ہم کو اپنی جان سے پیارا
تیرے دَم سے شان ہماری تجھ سے نام ہمارا
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد ـــــ ہم دیکھیں آزاد تجھے
سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

دھڑکن دھڑکن پیار ہے تیرا، قدم قدم پہ گیت رے
بستی بستی تیرا چرچا، نگر نگر ہیں مِیت رے
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد ـــــ ہم دیکھیں آزاد تجھے
سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

تیری پیاری سج دھج پہ ہم واری واری جائیں
آنے والی نسلیں تیری عظمت کے گُن گائیں
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد ـــــ ہم دیکھیں آزاد تجھے
سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

مسرُور انور

مشق

۱- سوہنی دھرتی سے کیا مُراد ہے؟ اِس ترانے کو زبانی یاد کیجیے۔
2- اِن لفظوں کے معنے اپنی کاپی میں لکھیے:
دھڑکن - چرچا - نگر - عظمت - گُن گائیں۔
3- سب بچّے مِل کر یہ ترانہ گائیں۔
4- ان لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:-
چرچا - مِیت - سج دھج - دھرتی - واری واری



رحمان بابا

اِسلام نے دُنیا کے سب انسانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وُہ سب آدم کی اولاد ہیں۔ امیر ہوں یا غریب، گورے ہوں یا کالے، سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام کے اس پیغام کو قبول کرلیا وہ مسلمان کہلائے اور ایک ہی برادری میں شامل ہو گئے، جسے اِسلامی برادری کہتے ہیں۔ وہ سب ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک قرآن، ایک کعبے کو مانتے ہیں اور اُن کا پختہ عقیدہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی رہتے ہوں، آپس میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے نفع نقصان میں شریک ہیں۔ مُسلمان جب تک اِس پر عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے، کامیاب رہے، مگر جب اُن کا یہ عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وُہ نسل، رنگ، زبان اور لباس کی بنا پر بٹ کر ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے تو وہ سب کچھ کھو بیٹھے جو اِسلام نے دیا تھا۔

مگر اللہ کا یہ احسان ہے کہ جب بھی مُسلمانوں کی ایسی حالت ہُوئی تو اللہ نے اُن میں ایسے نیک اور باعمل لوگ پیدا کردیے جنھوں نے انھیں پھر ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی۔ بھٹکے ہوئے مُسلمانوں کو پھر اسلامی تعلیمات کی طرف بُلایا اور ایک دُوسرے کا ہمدرد اور غم خوار بنا دیا۔ اللہ کے یہ نیک بندے ہر مُلک میں پیدا ہُوئے اور ان سب کا پیغام ایک ہی تھا۔ ہم آپ کو انھیں میں سے ایک بزرگ کے حالات سُناتے ہیں۔ یہ بزرگ عبدالرحمان تھے، جو رحمان بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

رحمان بابا تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے پشاور کے قریب "بہادر کلی"

نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام عبدالستار خان تھا۔ وہ مہمند قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے خاندانی دستور کے مطابق قرآن شریف اور فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔ پھر علم کی لگن اُنھیں کوہاٹ لے گئی، جہاں اُنھوں نے تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے دینی علوم حاصل کیے۔ اُس وقت ہندوستان میں مُغل بادشاہ اورنگ زیب کی حکومت تھی جو خود بھی بہت بڑا عالم اور نیک بادشاہ تھا اور عالموں کی بہت عزّت کرتا تھا۔ اِسی لیے وہاں بڑے بڑے عالم اور صُوفی جمع ہو گئے تھے۔ ان کی شہرت سُن کر رحمان بابا کئی مرتبہ ہندوستان گئے اور بڑے بڑے عالموں اور صُوفیوں سے فیض حاصل کیا۔

رحمان بابا اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صُوفی تھے۔ اُنھوں نے ایسے اچھے اچھے شعر کہے ہیں جنھیں پڑھ اور سُن کر آدمی اچھّی عادتیں اِختیار کرنے اور بری باتیں چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ وُہ ایسے علاقے کے رہنے والے تھے جہاں کے بچّے ہوش سنبھالتے ہی تلوار اور بندوق چلانا سیکھ جاتے ہیں اور عِزّت کے لیے جان دینا کھیل سمجھتے ہیں۔ بہت مہمان نواز، سخی، ہمدرد اور بہادر ہوتے ہیں اِسی کو وُہ لوگ "پشتون ولی" یا اخلاقی اصُول کہتے ہیں اور جو شخص اِن باتوں پر عمل نہ کرے اُسے وہ پشتون ہی نہیں سمجھتے۔

رحمان بابا میں بھی بہادری کا یہی جذبہ تھا۔ مگر وہ بہادری کو برائیوں کے خلاف جنگ کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "اصلی بہادر وُہ ہے جو دوسروں کو نقصان نہ پُہنچائے"۔ وُہ لوگوں کو نیک بننے کی اِس طرح تعلیم دیتے ہیں کہ "پھُول بویا کرو تاکہ تمھارے چاروں طرف پھُول ہی پھُول اُگیں۔ کانٹے نہ بویا کرو جو تمھارے پاؤں میں چُبھ جائیں"۔

اُن کے شعر اتنے اچھّے ہیں کہ لوگ روزمرّہ کی بات چیت میں کہاوت کے طور

پر پڑھتے ہیں اور مسجدوں، خانقاہوں، حجروں، کھیتوں اور کھلیانوں میں ہر جگہ لوگ اُن کے اشعار گنگناتے ہیں ۔ اُن کے کلام کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ "باڑے" کے کنارے پڑے پڑے ہر وقت ریت پر لکھتے رہتے تھے اور اُن کی بہن اُن کا کلام کاغذ پر لکھ لیتی تھیں۔ یہی کلام "دیوان رحمان بابا" کی صُورت میں چھپا ہے۔

آخر عمر میں اپنے رشتہ داروں کی بد سلوکی سے تنگ آ کر وہ موضع ہزارخانی میں جا کر رہنے لگے تھے ۔ وہیں ۱۷۰۶ء میں وفات پائی اور ہزارخانی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار نہایت خوبصورت پتھر کا بنا ہُوا ہے ۔ ہزاروں عقیدت مند آج بھی اُن کے مزار پر جاتے اور دُعائیں مانگتے ہیں۔

مشق

۱۔ بزرگانِ دین، اسلام کا کیا پیغام سناتے رہے ہیں؟

2۔ رحمان بابا جیسے کسی دوسرے بزرگ کا حال اپنے اُستاد کی مدد سے لکھیے۔

3۔ معنی لکھیے :

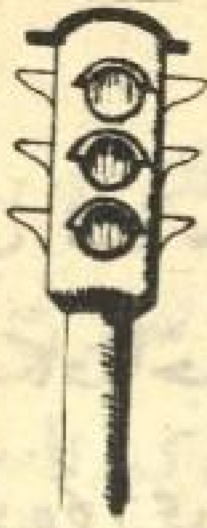
عقیدہ ، نفس ، کہاوت ، دیوان ، جہاد ، فال نکالنا۔

4۔ اِن لفظوں سے جملے بنائیے :

عقیدت مند ، کلام ، روزمرّہ ، سخی ، ہمدرد۔

5۔ رحمان بابا نے بہادری کے جذبے سے کیا کام لیا؟

6۔ پھول بویا کرو، کانٹے نہ بویا کرو ۔ رحمان بابا کے اس قول کا مطلب بیان کیجیے۔



سُرخ سبز بتّیاں

واجد اکرم جان خضدار میں رہتے تھے۔ وہاں ان کی بہت بڑی دکان تھی، جہاں ضرورت کی ہر چیز ملتی تھی۔ وہ اپنی دُکان کے لیے سامان خریدنے کبھی کبھی کوئٹے جایا کرتے تھے۔ ان کا چھوٹا بیٹا اسلم ہر بار کوئٹے جانے کی ضد کیا کرتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ وہ اسے بھی اپنے ساتھ کوئٹے لے گئے۔

واجد اکرم نے جب اپنی دُکان کے لیے سامان خرید لیا تو اسلم کو کوئٹے کی سیر کرانے کے لیے نکلے۔ اسلم کوئٹے کی شاندار عمارتیں اور بڑے بڑے بازار دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ گھومتے پھرتے وہ جناح روڈ کے چوک پر پہنچے تو اسلم کو چوک پر لگی ہوئی سرخ سبز بتیوں کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔

اسلم اور اس کے ابا قندھاری بازار سے آرہے تھے۔ اسلم کی نظر جب ان بتیوں پر پڑی تو اس کے سامنے والی بتی کا رنگ سرخ تھا۔ ابھی وہ اسے حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا کہ سرخ بتی کے ساتھ زرد رنگ کی بتی بھی روشن ہو گئی۔ پھر وہ دونوں ایک دم بجھ گئیں اور سبز رنگ کی بتی روشن ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ یہ تماشا دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ بتیاں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کیوں جلتی بجھتی ہیں۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے اپنے ابّا سے پوچھا:

"اباجی! یہ بتیاں بار بار اس طرح کیوں جل بجھ رہی ہیں"؟ اس کے ابا نے کہا: "بیٹا! کل جب ہم تمھارے چچا جان سے ملنے ریلوے اسٹیشن پر گئے تھے تو ہم نے تمھیں بتایا تھا کہ یہ سرخ بتیاں کس لیے لگی ہوئی ہیں۔" اسلم نے کہا: "جی اباجی! مجھے یاد آگیا آپ نے کہا تھا کہ جہاں یہ بتیاں

لگی ہوئی ہیں اسے سگنل کہتے ہیں۔ جب کوئی گاڑی اسٹیشن پر آنے والی ہوتی ہے تو سگنل جھکا دیا جاتا ہے اور ڈرائیور سگنل جھکا دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ راستہ صاف ہے۔ وہ گاڑی آگے لے جاسکتا ہے"۔

"اور کیا بتایا تھا ہم نے؟" اسلم کے ابّا بولے۔

ابا جی۔ آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ سگنل ڈرائیوروں کو رات کے وقت دکھائی نہیں دیتے، اس لیے سگنل کے ایک سرے پر سبز اور سرخ رنگ کے شیشے لگادیے جاتے ہیں اور رات کے وقت ہر سگنل کے سامنے روشنی کر دی جاتی ہے۔ جب سگنل جھکایا جاتا ہے تو سبز رنگ کا شیشہ روشنی کے سامنے آجاتا ہے۔ جس سے ڈرائیور سمجھ لیتے ہیں کہ راستہ صاف ہے، ورنہ سرخ شیشہ روشنی کے سامنے رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لائن صاف نہیں۔ ڈرائیور گاڑی کو سگنل کے باہر ہی روک لیتے ہیں"۔ اسلم نے جواب دیا۔

واجد اکرم نے بیٹے سے کہا کہ اب تم بہت آسانی سے ان سبز، سرخ بتیوں کا مطلب بھی سمجھ لوگے۔ وہ دیکھو سامنے کی لال بتی روشن ہو گئی اور سب رکشہ موٹریں، تانگے اور سائیکلیں ادھر ہی رک گئیں۔ سامنے سڑک پر دیکھو، ایک سفید لکیر بھی لگی ہوئی ہے۔ اس سے آگے کوئی سواری نہیں نکلتی۔

اسلم نے خوش ہو کر شور مچادیا۔ "وہ دیکھیے ابا جی! دوسری طرف سے موٹریں اور دوسری سواریاں چل پڑیں"۔

واجد اکرم بولے: "اُدھر کی سبز بتی روشن ہو گئی، اسی لیے سب گاڑیاں چل پڑی ہیں۔ اب دیکھو، ادھر کی سبز بتی روشن ہو گی تو اِدھر کی سب سواریاں چل پڑیں گی"۔

"اوہ! اباجی! دیکھیے ہمارے سامنے کی سبز بتی روشن ہو گئی اور ایکدم ساری گاڑیاں چل پڑیں۔ بس اب میں سمجھ گیا۔ یہ سبز، سرخ بتیاں بھی ریل کے سگنل ہی کی طرح ہیں۔ ان سے بھی اشارہ دیا جاتا ہے کہ راستہ صاف ہے یا نہیں۔ مگر اس کا فائدہ کیا ہے"؟ اسلم نے پوچھا۔

"اس کے بہت سے فائدے ہیں، اسلم بیٹا! یہاں کی سڑکوں پر اتنے رکشا، موٹر، تانگے اور آدمی ہر وقت چلتے ہیں۔ اگر ان کے اشارے کے لیے یہ بتیاں نہ لگی ہوں تو ہر وقت حادثے ہوتے رہیں، گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں اور آدمیوں کی جان خطرے میں رہے"۔

اسلم نے کہا: "اباجی! پھر تو یہ سرخ، سبز بتیاں ہمارے لیے بہت فائدہ مند ہیں" واجد اکرم بولے۔ ہاں بیٹا! فائدہ تو ان سے بہت ہے۔ مگر ان سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب لوگ ان اشاروں کی پابندی کریں"۔

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے اباجان! ہم سب کو ان اشاروں پر عمل کرنا چاہیے، تاکہ کسی قسم کے حادثے کا خطرہ نہ رہے"۔

مشق

۱۔ سڑک کے اشاروں کی پابندی کیوں ضروری ہے۔؟

۲۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب سگنل کے ساتھ سرخ رنگ کے شیشے کیوں لگائے جاتے ہیں؟

3۔ ان الفاظ کے آخر میں "ی" بڑھا کر دوسرے لفظ بنائیے جیسے سفید سے سفیدی

سرخ۔ سبز۔ سیاہ۔ روشن۔ خواب

۴۔ کاپی پر ایک پھول بنائیے، جس میں مختلف رنگ بھر کر ان رنگوں کے نام لکھیے۔



ایک شہید

دوسرا غدّار

۲۵ اگست ۱۹۷۱ء کی چمکیلی اور روشن صبح تھی۔ پاک فضائیہ کے تربیت پانے والے شاہین مشقی پرواز پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھے۔ اِن پاکستانی شاہینوں کے چہرے بھی صُبح کی طرح چمک رہے تھے۔ یہ سب تربیت پانے والے پائلٹ افسر تھے۔ جب یہ اپنے اپنے طیّارے میں اگلی نشست پر بیٹھ چکے اور اڑان کے لیے تیار ہو گئے تو "رن وے" پر انھیں ایک فوجی گاڑی نظر آئی جس میں ان شاہینوں کو تربیت دینے والا اُستاد بیٹھا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا ہر طیّارے پر نظر ڈالتا بڑھتا رہا اور ایک طیّارے کے قریب پہنچ کر اپنی گاڑی روک لی، جس میں چھریرے مگر سانچے میں ڈھلے ہوئے جسم بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں اور کھلی پیشانی والا ایک نوعُمر ہوا باز بیٹھا تھا۔ وہ اپنے طیّارے کو چلانے ہی والا تھا کہ اُستاد نے گاڑی سے اُترتے ہی اُسے رُکنے کا اشارہ کیا۔ نوعمر شاہین اُستاد کا اِشارہ ملتے ہی رُک گیا۔ اُستاد بہت تیزی سے طیّارے کے قریب پہنچا، اُس سے کوئی بات کی اور اس کے طیّارے میں بیٹھ گیا۔ ذہین ہوا باز کو یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، اِس لیے کہ تربیت پانے والے نوجوان ہوا باز ایسی پروازوں پر ہمیشہ اکیلے ہی جاتے ہیں، مگر یہاں تو اُستاد نہ صرف طیّارے میں سوار ہو گیا تھا بلکہ اُس نے زبردستی "کاک پٹ" میں بیٹھ کر طیّارے پر بھی قبضہ کر لیا اور ایک دم اُسے اڑانے لگا۔ "نوعمر ہوا باز" اُستاد کی اِس خلافِ قاعدہ حرکت سے پہلے ہی حیران تھا اور اب تو اُس کے ارادے صاف ظاہر ہو گئے تھے کہ وہ طیّارے کو اُڑا کر بھارت

لے جانا چاہتا ہے۔ نوعمر ہوا باز جو پہلے ہی چوکنّا ہو گیا تھا اب سب کچھ سمجھ چکا تھا کہ اُستاد اپنے ملک اور اپنی قوم کے ساتھ غدّاری کر رہا ہے اور دشمن کے ہاتھوں بِک گیا ہے۔ اپنے سے طاقتور اور تجربہ کار اُستاد کو اِس غدّاری سے باز رکھنے کے لیے اُس کے پاس ایک ہی ہتھیار تھا اور اُس نے یہ ہتھیار پاک فضائیہ کے "جانباز شاہینوں" کی روایت کے مطابق بہت حوصلے اور سکون سے اِستعمال کیا۔

جب اس نوعمر ہوا باز کو اچھی طرح یقین ہو گیا کہ اب طیّارے کو قابو میں کر کے پاکستان کے ہوائی اڈّے پر لے جانا ممکن نہیں ہے تو اُس نے کوشش کر کے طیّارے کا رُخ زمین کی طرف کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے طیّارہ زمین پر گر کر تباہ ہو گیا۔ بھارتی سرحد اِس جگہ سے صرف تیس میل دور تھی۔ طیّارے کی تباہی نوعمر ہوا باز کی شہادت بن گئی۔ اس کی شہادت نے پاک فضائیہ کے خفیہ رازوں کو بھارت کی سرحد میں داخل ہونے سے بچا لیا۔ اِس طرح اُس نے وطنِ عزیز کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ اِس عظیم کارنامے پر حکومتِ پاکستان نے اِس نوعمر ہوا باز کو "نشانِ حیدر" کا اِعزاز دیا جو پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ہے اور صرف اُن جانباز مُجاہدوں کو دیا جاتا ہے، جو شجاعت و جرأت کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ یہ اِتنا بڑا فوجی اعزاز ہے کہ اب تک ہمارے صرف آٹھ فوجی افسروں کو مِلا ہے جن میں یہ نوعمر ہوا باز بھی شامل ہے۔ پاکستان پر اپنی جان نچھاور کرنے والے اِس شہید کا نام "راشد منہاس" ہے۔

راشد منہاس ابھی ایک طالب علم تھا جو پاک فضائیہ کے تربیتی اِدارے میں ہوا بازی کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ اُس کی عظیم قربانی، شہادت اور اعزاز نے پاکستان کے طالب علموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سر بلند کر دیا ہے۔

راشد منہاس شروع ہی سے دلیری اور بہادری کے کاموں میں دلچسپی لیتا تھا۔ اُسے مطالعے کا بہت شوق تھا اور بچپن سے مُسلمانوں کے جنگی کارناموں اور بڑے بڑے جرنیلوں

کے حالاتِ زندگی پڑھتا رہتا تھا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ تو اُس کی آنکھوں دیکھی بات تھی کہ پاک فضائیہ کے شاہینوں نے اپنے سے چھ گنی بھارتی ہوائی فوج کے کس طرح پرخچے اڑا دیے تھے اور بھارت کے ہوائی اڈّوں پٹھانکوٹ، ہلواڑہ، جودھپور، جام نگر، آدم پور، انبالہ اور سرسی نگر کو تباہ کر دیا تھا۔ جب وہ اِن بہادروں کے کارنامے پڑھتا اور سُنتا تو اُس کے دل میں بھی اپنی قوم اور وطن کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگتا۔ آخر وہ اِس میں کامیاب ہو کر رہا۔

راشد منہاس نے اپنی شہادت سے چند روز پہلے اپنی چھوٹی بہن سے کہا تھا "منّی بہن! مَیں جنگی قیدی بننے سے مَر جانا بہتر سمجھتا ہوں"۔ کیسی قبولیت کی گھڑی ہو گی جب اُس نے یہ بات کہی تھی کہ چند ہی روز بعد اُس نے اپنے عمل سے یہ بات ثابت کر دی اور اُسے شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل ہو گیا۔

اس جانباز مجاہد کا طیّارہ جس جگہ زمین سے ٹکرایا تھا اب وہ جگہ "شہید ڈیرہ" کہلاتی ہے اور کراچی سے شمال مشرق کی طرف دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے تقریباً باسٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ طیّارہ گرتے ہی راشد منہاس اور اُس کا استاد دونوں ہلاک ہو گئے تھے۔ مگر پہلا "شہید وطن" کہلایا اور دوسرا غدّارِ وطن۔

مشق

(۱) راشد منہاس نے اپنا طیّارہ کیوں برباد کر دیا؟

(۲) غدّار کون تھا اور کیا چاہتا تھا؟

(۳) جن شہیدوں کو "نشانِ حیدر" مل چکا ہے اُن کی تصویروں کا البم تیار کیجیے۔

(۴) لفظوں کو حروفِ تہجّی (ا، ب، پ) کی ترتیب سے لکھ کر ان کے معنی لکھیے:

شاہین - ہوا باز - اعزاز - قبولیت - فضائیہ - چوکنا - جانباز -

ہم ہیں وطن کے پاسباں

ہم ہیں وطن کے نوجواں
ہم ہیں وطن کے پاسباں
ہم ہیں وطن کی آرزو   ہم ہیں بہارِ رنگ و بُو
ہم ہیں وطن کی عزّ و شاں
ہم ہیں وطن کے پاسباں
پختہ بہت اپنا عزم ہے   جو عزم ہے بالجزم ہے
اپنے ارادے بے کراں
ہم ہیں وطن کے نوجواں
ہم ملک کی اُمید ہیں   ہم زندۂ جاوید ہیں
ہم ہیں حیاتِ جاوداں
ہم ہیں وطن کے نوجواں

ارم لکھنوی

مشق

۱- وطن کی عزت و عظمت پر کسی کتاب یا رسالے سے کوئی نظم اپنی کاپی میں لکھیے۔

2- اس نظم میں وطن کے نوجوان خود کو کیا ظاہر کر رہے ہیں؟ اس طرح لکھیے۔
وطن کے نوجوان، وطن کے پاسبان ہیں۔ وطن کی عزّت و شان ہیں۔۔۔۔

3- ہم آواز الفاظ لکھیے۔ بہار۔ آرزو۔ بے کراں۔ رنگ۔ نوجوان

4- ان الفاظ کے معنے اپنی کاپی میں لکھیے۔
عزم بالجزم۔ پاسباں۔ جاوداں۔ زندہ جاوید۔ عزو شاں۔

میٹھا پھل

امام اصمعی عرب کے ایک مشہور عالم تھے۔ ان کا نام ابوسعید عبدالملک تھا۔ وہ ایک بہت ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ماں باپ محنت مزدوری کر کے بہت مشکل سے گزارا کرتے تھے، مگر اُن کی آرزو تھی کہ ان کا بیٹا علم حاصل کر کے بڑا عالم بنے۔ وہ ہر وقت خدا سے دعا مانگتے تھے کہ "یا اللہ! ان کے بیٹے کو اتنا بڑا عالم بنا کہ وہ دنیا میں چاند سورج کی طرح چمکے"۔ انھوں نے بیٹے کو مدرسے میں داخل کرا دیا۔ اصمعی بہت ذہین تھے۔ جلد ہی قرآن شریف پڑھ لیا۔ پھر انہیں علم حاصل کرنے کے لیے بصرے بھیج دیا گیا، جہاں اصمعیؒ خوب شوق سے دل لگا کر پڑھتے رہے۔

بصرے میں اصمعی جہاں رہتے تھے، وہاں قریب ہی ایک سوداگر کی دکان تھی۔ صبح سویرے جب اصمعی بستہ لے کر مدرسے جاتے تو وہ سوداگر پوچھتا، "کہاں جا رہے ہو میاں؟" اصمعی جواب دیتے: "پڑھنے جا رہا ہوں"۔ سوداگر ان کا مذاق اڑاتا اور کہتا۔ چھوڑو بھی پڑھائی لکھائی کو، پڑھ کر کیا تیر مار لوگے، زیادہ سے زیادہ کسی کے منشی بن جاؤ گے، کیوں اپنا وقت اور عمر برباد کرتے ہو کوئی اور کام کرو مجھے دیکھو، میں نے ایک لفظ بھی نہیں پڑھا، دکان لے کر بیٹھا ہوں اور خوب مزے اڑا رہا ہوں، لاؤ اپنی کتابیں مجھے دے دو، میں کاغذوں میں سودا سلف باندھ کر بیچوں گا۔" سوداگر کے یہ الفاظ اصمعی کے دل پر تیر کی طرح لگتے، مگر مجبور تھے، خون کے گھونٹ پی کر وہ جاتے۔ اصمعی سوداگر کے طعنے سنتے رہے اور بڑی محنت سے علم حاصل کرتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد اصمعی کی مالی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ ماں باپ بہت بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے وہ اپنے پیارے بیٹے کی کچھ امداد نہیں کر سکتے تھے۔ ہوتے ہوتے ایسی حالت ہو گئی کہ اصمعی کئی کئی وقت کا فاقہ کرنے

لگے، مگر غیرت اور شرم سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ بدن کے کپڑے پھٹ کو چیتھڑے بن گئے اور مارے شرم کے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا۔

ایک دن اصمعی اسی سوچ میں بیٹھے تھے کہ اس مصیبت سے کس طرح نجات پائی جائے۔ اچانک دروازے پر دستک سن کر چونک پڑے اور کسی نہ کسی طرح اپنے ننگے جسم کو چھپائے دروازے پر پہنچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا ہے۔ دیکھتے ہی کچھ حیران ہوئے اور کچھ جھجکے۔ سپاہی نے پوچھا: "تمھارا ہی نام اصمعی ہے؟" اصمعی نے جھجکتے ہوئے کہا، "ہاں! مجھے اصمعی کہتے ہیں، کیا بات ہے؟"

سپاہی نے کہا "آپ کو بصرے کے حاکم نے یاد کیا ہے"۔ اصمعی یہ سن کر حیران ہوئے کہ خدا جانے کیا معاملہ ہے۔ بصرے کے حاکم کو مجھ سے کیا واسطہ۔ سپاہی سے کہا، "تم دیکھ رہے ہو، میرے بدن پر پھٹے ہوئے چیتھڑے ہیں میں ایسی حالت میں حاکم کی خدمت میں کیسے حاضر ہو سکتا ہوں؟" سپاہی اصمعی کا جواب سن کر چلا گیا اور اصمعی گھر میں آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہی سپاہی اشرفیوں کی ایک تھیلی اور بہت اچھا لباس لے کر واپس آیا اور اصمعی کے سامنے پیش کر کے کہنے لگا: "یہ اشرفیاں گھر میں رکھوا دو یہ لباس پہن کر میرے ساتھ چلو"۔ اصمعی نے اشرفیوں کی تھیلی لینے سے بہت انکار کیا، مگر سپاہی کے اصرار پر تھیلی رکھ لی اور لباس پہن کر حاکم بصرہ کے پاس چلے گئے۔

جب اصمعی حاکم کے محل میں پہنچے تو وہ کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے فوراً اپنے پاس بلا لیا اور اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ اصمعی حیران کہ یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے؟ آخر کھانے سے فارغ ہو کر حاکم نے کہا "میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ کو بغداد بھیج دوں، وہاں امیرالمومنین ہارون الرشید کے بیٹے شہزادہ امین کے لیے ایک اچھے استاد کی ضرورت ہے۔ آپ کے ذمے شہزادہ کی تعلیم و تربیت ہو گی۔ اصمعی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انھیں اتنا بڑا رتبہ ملنے والا ہے۔ انھوں نے

اللہ کا شکر ادا کیا اور بغداد روانہ ہو گئے۔ بغداد پہنچتے ہی انھیں خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ خلیفہ بہت اچھی طرح پیش آیا اور کہا کہ شہزادہ امین کی تعلیم کے لیے آپ کا انتخاب کیا گیا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ اپنا فرض صحیح طور سے ادا کریں گے۔

اصمعی کی تنخواہ دس ہزار اشرفیاں مقرر کی گئی۔ رہنے کے لیے مکان اور کام کے لیے خادم دیے گئے۔ اصمعی نے بہت محنت سے شہزادہ کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اصمعی جیسا استاد اور شہزادہ امین جیسا شاگرد، بھلا پھر کیا کمی رہتی۔ چند سال ہی میں شہزادہ ہر علم وفن میں ماہر ہو گیا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق پیش آیا کہ شہزادہ امین نے جمعہ کا خطبہ پڑھا۔ خلیفہ ہارون الرشید بھی مسجد میں موجود تھے، اپنے بیٹے کی لیاقت اور قابلیت سے بہت خوش ہوئے۔ اصمعی کو بلا کر بہت سا انعام واکرام دیا اور کہا "اگر تمھاری کوئی اور خواہش ہو تو بتاؤ، میں انشاء اللہ ضرور پوری کروں گا۔" اصمعی نے کہا کہ جناب کی عنایت سے مجھے سب کچھ حاصل ہے۔ اگر حضور مجھے اجازت دیں تو میں ایک مرتبہ بصرے جانا چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے خوشی سے اجازت دے دی۔

اصمعی جب بغداد سے بصرے پہنچے تو لوگ اتنے بڑے عالم اور عباسی شہزادے کے استاد سے ملنے آئے اور مبارکباد پیش کی۔ ایک دن وہ سوداگر بھی اصمعی کی ملاقات کے لیے آیا، جو روزانہ اصمعی کو طعنے دیتا تھا اور کہتا تھا: "تم پڑھ لکھ کر کون سا تیر مار لوگے۔" اصمعی سوداگر سے بہت اچھی طرح ملے اور اس کی بہت خاطر تواضع کی۔ اصمعی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اسے اپنی باتوں پر شرمندگی ہو، اس لیے اس کے ساتھ اس طرح پیش آرہے تھے جیسے اس سے بڑھ کر نہ کوئی ان کا عزیز ہے نہ دوست۔ جب سوداگر اصمعی کے پاس سے جانے لگا تو اس نے کہا "اصمعی تمھیں دیکھ کر اندازہ ہوا ہے کہ علم کا درخت اگرچہ بہت دیر سے پھل دیتا ہے مگر اس کا پھل نہایت لذیذ اور میٹھا ہوتا ہے اور یہ بھی ہوا ہے کہ علم سے آدمی کو دولت اور عزت سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔"

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے
علم حاصل کرو، خواہ اس کے لیے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ برداشت کرنی پڑے اور کتنے ہی دور دور کے سفر کیوں نہ کرنے پڑیں۔ جو بچے شروع ہی سے علم حاصل کرنے میں محنت کرتے ہیں، وہ امام اصمعی کی طرح بہت بڑے عالم بن جاتے ہیں۔ علم کے پھل سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدے پہنچاتے ہیں۔

مشق

۱۔ علم کے دس فائدے اپنے استاد صاحب کی مدد سے لکھیے۔

2۔ اصمعی اور بصرہ کے حاکم کے درمیان کیا واقعہ پیش آیا؟

3۔ ذیل کے الفاظ کے متضاد (الٹ) لکھیے۔

میٹھا۔ کمزور۔ خراب۔ خوشی۔ مشکل۔

4۔ جملے مکمل کیجیے۔

(i) جہاں اصمعی خوب شوق سے ______ کو پڑھتے رہے۔

(ii) مگر مجبور تھے خون کے ______ پی کر خاموش رہ جاتے۔

(iii) شہزادہ امین کی تعلیم کے لیے آپ کا ______ کیا گیا ہے۔

(iv) اصمعی سوداگر سے بہت اچھی طرح ملے اور اس کی بہت ______ کی۔

5۔ ان لفظوں سے جملے بنائیے۔

محنت مزدوری۔ مذاق۔ سوداسلف۔ غیرت۔ انتخاب۔

6۔ "علم کا درخت اگرچہ بہت دیر سے پھل دیتا ہے، مگر اس کا پھل نہایت لذیذ اور میٹھا ہوتا ہے۔" اس کا مطلب سمجھ کر لکھیے۔

سُگھڑ لڑکی

نادرہ: شاکرہ باجی! کیسے پیارے پیارے شعر لکھ رکھے ہیں، آپ نے اپنی بیاض میں۔ جی چاہتا ہے آپ کی یہ بیاض چرا لوں۔

شاکرہ باجی: چرانے کی کیا ضرورت ہے نادرہ؟ جو شعر تمہیں پسند آئیں نقل کر لو۔ بھلا کون کون سے شعر پسند آگئے تمہیں۔؟

نادرہ: کوئی ایک شعر ہو تو بتاؤں بھی۔ آپ نے تو ایک سے ایک بڑھ کر شعر لکھا ہوا ہے۔

شاکرہ: اچھا تم بیاض سے شعر پڑھتی رہو، میں ذرا یہ ترپائی کر لوں، نہیں تو امی ناراض ہونگی۔

نادرہ: اللہ، باجی! بس ایک منٹ! اکبر الہ آبادی کا آپ نے یہ شعر لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب سمجھا دیجیے۔

شاکرہ: ارے چھوڑو بھی نادرہ شعر کو۔ تم اب تک بیڈ منٹن کھیلنے کیوں نہیں گئیں۔

نادرہ: آج مالی کمبخت نے بیڈ منٹن کورٹ میں پانی چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے بیڈ منٹن کی چھٹی۔

شاکرہ: اچھا، اسی لیے آج اس وقت یہاں نظر آرہی ہو۔ میں بھی کہوں تمہیں گد کڑے مارنے سے فرصت کیسے مل گئی۔

نادرہ: طعن، تشنیع پھر کرتی رہنا باجی! پہلے اس شعر کا مطلب سمجھا دیجیے۔ اچھی باجی! سمجھا دیجیے نا۔

شاکرہ: چلو پوچھو! کونسا شعر ہے وہ؟

نادرہ: تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

شاکرہ: یہ اکبر الہ آبادی کا بہت مشہور شعر ہے اور ہے بھی تمہارے حسبِ حال۔

نادرہ: بس آپ کو تو موقع ملنا چاہیے مجھے کچھ کہنے سننے کا۔ پہلے مجھے اس شعر کا مطلب سمجھا دیجیے پھر جو دل چاہے کہتی رہیے۔

شاکرہ: اچھا تو ذرا دھیان سے سنو۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتیں تعلیم کے زیور سے ضرور

آراستہ ہوں، لیکن وہ ایسی تعلیم حاصل کریں، جو ان کی ذمّہ داریوں کے ادا کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ ایسی تعلیم عورتوں کے لیے مناسب نہیں جس سے وہ ایک سلیقہ شعار سگھڑ اور گھریلو خاتون بننے کے بجائے، کلبوں، پارٹیوں اور محفلوں میں تفریح کرتی پھریں۔ گانے بجانے اور ہنسی مذاق میں اپنا وقت ضائع کریں۔ وہ عورتوں کی ایسی تعلیم چاہتے ہیں جسے حاصل کرکے وہ ایسی عورتیں بن جائیں جن کی آغوش میں پرورش پانے پر پیغمبروں نے بھی فخر کیا ہے۔ تم جیسی نہیں، جسے آج تک سینے پرونے، پکانے ریندھنے کا کوئی سلیقہ ہی نہیں آیا۔ ہاں کھیل کود میں تم سب سے آگے ہو۔ اگر تم اب بھی خانہ داری کے کام نہیں سیکھو گی تو پھر کب سیکھو گی۔

نادرہ: مجھے کیا نہیں آتا باجی! سب کچھ تو آتا ہے۔ آپ کو تو بگڑنے کا بس موقع ملنا چاہیے۔

شاکرہ: اچھا نادرہ! اور ہنر تو چھوڑو ایک طرف، یہ بتاؤ، تمھیں کھانے پکانے کا سلیقہ بھی آتا ہے، جو عورت کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے؟

نادرہ: آتا تو مجھے سب کچھ ہے، مگر آپ کو تو میرے ہر کام میں "مین میکھ" (میخ) نکالنے کی عادت ہے۔ چلیے آپ ہی سلیقہ سکھا دیجیے۔

شاکرہ: میں سکھا تو دوں گی، مگر عمل کون کرے گا اس پر، ہاں اگر تم عمل کرنے کا وعدہ کرو تو بتا دوں گی۔

نادرہ! چلیے، رہا وعدہ۔

شاکرہ: دیکھو نادرہ! پہلے تو تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ کھانا پکانے کے سلیقے کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکیوں کو پُرتکلّف کھانے پکانے آجائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھا کھانا پکانے والی لڑکیوں میں یہ تین باتیں ضرور ہوں۔ صفائی، احتیاط اور وقت کی پابندی۔ اسی کو سلیقہ کہتے ہیں۔

نادرہ، یہ تو تم جانتی ہو کہ صفائی ہر کام میں ضروری ہے۔ مگر کھانا پکانے کے معاملے میں تو صفائی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اگر باورچی خانہ صاف نہ ہو، برتن ~~میلے کچیلے~~ ہوں، پکانے یا کھلانے والے کے ہاتھ یا کپڑے ~~گندے اور~~ غلیظ ہوں تو کھانا

گندے

خواہ کتنا ہی مزیدار کیوں نہ ہو، کھانے والے کو کراہت آئے گی اور سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا اس لیے باورچی خانہ اور پکانے کھانے کے برتن ہمیشہ صاف رکھنے چاہییں۔ اور یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ برتن صاف پانی سے دھو کر، اُجلے کپڑے سے خشک کیے جائیں جو صافیاں اور جھاڑن برتنوں کو دھونے اور صاف کرنے میں استعمال کیے جائیں، انہیں بھی ہر روز دھو کر خشک کرنا ضروری ہے۔ برتنوں کو صاف رکھنے سے ان کی آب اور چمک کافی عرصے قائم رہتی ہے اور دھلے ہوئے صاف ستھرے برتنوں سے باورچی خانے میں بھی صفائی اور رونق نظر آتی ہے۔ اور نادرہ بی! دوسری بات یہ ہے کہ پکانے والی میں "احتیاط" بھی ہونی چاہیے۔ یہ صفائی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ بلکہ صفائی بھی احتیاط میں شامل ہے۔

احتیاط میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جب پکانا شروع کرو تو پکانے سے متعلق ہر ضرورت کی چیز اپنے پاس رکھ لو۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ دیگچی میں پیاز جل رہی ہے اور مسالہ لینے جا رہی ہو مسالہ جلنے لگا تو دوڑیں پانی لانے۔ آنچ کم کرنی ہوئی تو دستِ پناہ کی تلاش ہوئی۔ کبھی پیاز جل گئی کبھی مسالہ جل گیا۔ اگر ہر چیز اپنی اپنی جگہ ~~پر پہلے سے~~ پہلے سے رکھ لی جائے تو وقت پر دِقت پیش نہیں آئے گی۔ مرچ، مسالہ اور گھی کا بھی اندازہ صحیح ہونا چاہیے۔ کسی چیز کے بھی کم یا زیادہ ہونے سے کھانا بدمزہ ہو جاتا ہے۔ پھر ضرورت کے مطابق پکانا چاہیے کیونکہ اگر کھانا کم پڑ جائے تو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ زیادہ پک جائے تو ضائع ہو جائے گا اور مفت میں نقصان ہوگا۔ پھر پکاتے وقت یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ نہ تو کھانا کچّا رہے اور نہ جل جائے۔ کھانا پکاتے وقت ان تمام باتوں کی احتیاط کرنی چاہیے تاکہ رُسوائی نہ ہو اور بے سلیقہ اور پھوہڑ جیسے خطاب نہ ملیں۔

تیسری ضروری بات "وقت کی پابندی" ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کھانا کھانے کا جو وقت مقرر ہو، اس پر کھانا تیار ملے۔ یہ نہیں کہ گھر کے مردوں اور بچوں کے آنے کا وقت

ڈیڑھ بجے ہے اور تمہارے گھر میں آٹا گوندھا جا رہا ہے بچے اسکول سے آکر بھوک کے مارے بلبلا رہے ہیں اور ابھی سالن بھی تیار نہیں ہوا۔ پہلے سے سوچ لینا چاہیے کہ کیا کیا چیز پکانی ہے۔ اس کے پکنے میں کتنی دیر لگے گی، کھانا کب پک کر تیار ہوجائے گا۔ جب وقت کا صحیح اندازہ کر کے پکانا شروع کیا جائے گا تو کبھی دیر نہیں ہو گی۔ نادرہ بی! اچھا کھانا پکانے والی لڑکیوں میں یہ وصف ہونے ضروری ہیں۔ اور خاتونِ خانہ یا سگھڑ لڑکی وہی ہو سکتی ہے جو تعلیم حاصل کر کے اپنے ان اوصاف کو جلا بخشے۔

اب سمجھ میں آگیا، اکبر الہ آبادی کے شعر کا مطلب؟۔ اچھا دیکھو! اب تم جاؤ۔ آج ہی سے امی کا ہاتھ بٹاؤ اور اُن سے پکانا ریندھنا سیکھو۔ میں بھی یہ تھوڑی سی ترپائی کر لوں نہیں تو امی ناراض ہوں گی اور دیکھو اپنے وعدے پر قائم رہنا۔

نادرہ: شکریہ باجی! میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گی اور لیجیے، اب چلی میں امی کے پاس باورچی خانے میں۔

مشق

1- اس مضمون کو مختصر کر کے لکھیے۔

2- سگھڑ لڑکی کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3- ان جملوں کو صحیح کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔

(۱) پہلے اس شبیں کا مطلب سمجھا دیجیے۔

(۲) آپ کو تو میرے ہر کام میں مسکو مین ڈالنے کی عادت ہے۔

(۳) سارا مزہ کڑکڑا ہو جائے گا۔

(۴) بچے اسکول سے آکر بھوک کے مارے کڑکڑا رہے ہیں۔

4- ان الفاظ کے معنے اپنی کاپی میں لکھیے۔

بیاض - ترپائی - خانہ داری - جِلا - صافیاں - پھوہڑ۔

محنت

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ
جو دنیا میں کرتے ہیں محنت زیادہ

اسی میں ہے عزت خبردار رہنا
بڑا دکھ ہے دنیا میں بیکار رہنا

بڑائی بشر کو اسی سے ملی ہے
نکمّی جو گزرے وہ کیا زندگی ہے

زمانے میں عزت حکومت یہی ہے
بڑی سب سے دنیا میں دولت یہی ہے

ہری کھیتیاں جو نظر آرہی ہیں
ہمیں شان "محنت" کی دکھلا رہی ہیں

اسی سے زمانے میں دولت بڑھے گی
جو دولت بڑھے گی تو عزت بڑھے گی

جو محنت نہ ہوتی تجارت نہ ہوتی
کسی قوم کی شان و شوکت نہ ہوتی

ہمارا تمہارا سہارا یہی ہے
اندھیرے گھروں کا اجالا یہی ہے

جو ہاتھوں سے اپنے کمایا وہ اچھا
جو ہو اپنی محنت کا پیسا وہ اچھا

عظیم موجد

آپ نے الہ دین کے چراغ کا نام ضرور سُنا ہو گا جسے رگڑتے ہی ایک جِن آجاتا اور الہ دین کا ہر کام کر دیتا تھا۔ الف لیلہ کی یہ پُرانی کہانی ہمارے زمانے میں حقیقت بن گئی ہے اور الہ دین کا چراغ بجلی کی شکل میں ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ کونسا کام ہے جو بجلی نہ کر سکتی ہو۔ وہ رات کو ہمارے گھروں اور سڑکوں کو روشن کرتی ہے، گرمی سے بچانے کے لیے پنکھے چلاتی ہے، گھروں اور دفتروں کو گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم رکھتی ہے، گھنٹیاں بجاتی ہے، ایک لمحے میں ہماری بات سینکڑوں ہزاروں میل دُور پہنچاتی ہے، کپڑے دھونے، نچوڑنے اور استری کرنے کا کام انجام دیتی ہے، یہاں تک کہ گھر کی صفائی کے لیے بجلی کی جھاڑو بھی موجود ہے۔ مسالے پیسنے، بال بنانے، شربت تیار کرنے غرض ہر چیز میں بجلی کی عملداری ہے۔ جہاز، ریل گاڑی اور موٹریں بھی بجلی سے چلتی ہیں۔ ٹیلی فون اور تار کے ذریعے بجلی ہی ہمارا پیغام ہر جگہ لے جاتی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما سب اِسی بجلی کے تماشے ہیں۔ نیچے سے سینکڑوں فٹ اُوپر پہنچانے کے لیے لفٹ موجود ہے ایکس رے کے ذریعے انسانی جسم کی رگوں اور ہڈیوں تک کی کیفیت معلوم کرنا بجلی کا کرشمہ ہے۔ غرض کونسی چیز ایسی ہے جس میں بجلی کے چراغ الہ دین کا ہاتھ نہ ہو۔

لیکن سو سال پہلے اس بجلی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا، حالانکہ قدرتی بجلی ہمارے چاروں طرف اور ہر جگہ موجود تھی۔ ہوا میں، فضا میں اور بادلوں میں ۔ جب بادلوں میں اتنی زیادہ بجلی جمع ہو جاتی جو سما نہ سکتی تو گرج اور چمک کے ساتھ زمین کی طرف آجاتی جسے ہم آسمانی بجلی کہتے تھے۔ اِسی طرح قطب شمالی کے علاقوں میں رہنے

والے شمال کی طرف آسمان پر جو روشنی دیکھتے اُسے وہ قطب شمالی کی روشنی کہتے تھے اور قطب جنوبی کے رہنے والے بھی اِسی قسم کی روشنی دیکھتے تھے۔ یہ روشنی بھی قدرتی بجلی کی تھی جو سطح زمین سے سو میل بلندی پر موجود ہوتی ہے۔ اِنسان یہ بھی دیکھتے کہ یہ آسمانی بجلی جہاں کہیں گرتی ہے اُسے جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ قدرتی بجلی کی اِس طاقت اور روشنی کی وجہ سے سائنسدانوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا اور اِس کی طاقت اور روشنی کا راز معلوم کر کے خود بجلی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بڑے زمانے تک سوچنے اور تجربات کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نے نہ صرف بجلی پیدا کرنا اور اِستعمال کرنا جان لیا بلکہ اِسے جمع کر کے رکھنا بھی سیکھ لیا تاکہ اسے ضرورت کے وقت کام میں لایا جا سکے۔ بجلی کی اِس طاقت سے کام لینے والے یُوں تو بہت سے لوگ ہیں، مگر امریکہ کے تھامس ایڈیسن بجلی کی طاقت کو اِنسانی فائدے کے لیے اِستعمال کرنے میں سب سے زیادہ مشہور ہوئے، اِس لیے اُن کا شمار عظیم موجدوں میں ہوتا ہے۔

بجلی کو اپنے قابو میں لانے کا خیال بھی انھیں عجیب طریقے پر آیا۔ کوئی صاحب پتنگ اُڑا رہے تھے اور اُنھیں بھی پتنگ اُڑانے کا شوق تھا۔ ایک بار اُن کی پتنگ بادلوں میں پھنس گئی اور اُنھیں اپنے ہاتھوں میں بجلی کے جھٹکے لگتے محسوس ہوئے۔ بس پھر کیا تھا، بجلی بنانے اور اسے اپنے قبضے میں لانے کے لیے کوششیں شروع ہو گئیں، جس میں ایڈیسن کو سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ بجلی کی روشنی، بجلی کے پنکھے، ٹیلیفون، ٹیلیگراف، وائرلیس، ریڈیو، فوٹوگرافی اور سینما جیسی مشہور و معروف ایجادیں ایڈیسن ہی کے دماغ نے کیں۔

ایڈیسن فروری ۱۸۴۷ء میں موضع سامیدن (اوہایو۔ امریکہ) میں پیدا ہوا۔ اُس کے والدین بہت غریب تھے، مگر "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"، ایڈیسن بچپن ہی سے

اپنے دوسرے ساتھیوں سے بالکل الگ تھلگ رہتا تھا۔ جب دوسرے لڑکے کھیل کود میں مصروف ہوتے تو اُس وقت وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہوتا۔ اُسے مدرسے میں داخل کیا گیا تو کچھ دن کے بعد وہ ایک دن روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ماسٹر صاحب کہتے ہیں کہ تمہارے دماغ میں عقل نہیں بلکہ بھُس بھرا ہوا ہے ماں اُسے لے کر اُستاد کے پاس گئی اور کہا: "بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ بچّے کو بجائے پیار سے پڑھانے کے اُسے علم سے محرُوم کرنا چاہتے ہیں۔"

اِس کے بعد ایڈیسن کی عقلمند ماں نے اسے گھر میں پڑھانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ ایڈیسن کو پڑھنے کا اِتنا شوق پیدا ہوا کہ وہ ہر وقت کتابوں میں کھویا رہنے لگا۔ جب اس کے ماں باپ گاؤں چھوڑ کر شہر چلے گئے تو اُس نے سرکاری کتب خانوں میں وقت گزارنا شروع کر دیا۔ اِس طرح بچپن ہی میں بے شمار کتابیں پڑھ ڈالیں۔ دس سال کی عمر میں ایڈیسن کو کیمسٹری سے لگاؤ ہو گیا تھا۔ پڑھنے اور تجربے کرنے کا اُسے اِتنا شوق تھا کہ اُس نے ایک دوست کو ایک قسم کا سفوف کھلا دیا، جس سے اُس کا خیال تھا کہ لڑکے کے جسم میں گیسیں پیدا ہوں گی اور وہ گیس کی وجہ سے فضا میں اڑنے لگے گا۔ یہ تجربہ اگرچہ ناکام رہا مگر اس سے ایڈیسن کے شوق اور ذہانت کا اندازہ ضرور ہو سکتا ہے۔

بارہ سال کی عمر میں ایڈیسن کو ریل گاڑی میں اخبار بیچنے کا کام ملا۔ اِس کام میں وہ دوسرے لڑکوں سے بازی لے گیا کیونکہ وہ اخبار کے ساتھ کتابیں اور بہت سی دوسری چیزیں بھی بیچتا تھا اور ایک اپنا اخبار بھی چھاپ کر تقسیم کرتا تھا، لیکن اس زمانے میں اس کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ وہ مسافروں کے ایسے کمرے میں جسے تمباکو نوشی کے لیے بنایا گیا تھا، طرح طرح کے تجربے کرتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ ایسا ہی کوئی تجربہ کر رہا تھا کہ کمرے میں آگ لگ گئی۔ گارڈ کو اِس پر غصّہ آیا اور اُس نے ایڈیسن کی کنپٹی پر اِتنی زور سے گھونسہ مارا کہ وہ ہمیشہ کے لیے بہرا ہو گیا۔ مگر اس کا بہرا پن اُس کے شوق،

محنت اور لگن میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ پھر وہ زمانہ آیا جب بجلی کی طاقت اُس کے سامنے ایک خادم کی طرح ہاتھ باندھ کے کھڑی ہو گئی اور وہ اِس سے جو کام لینا چاہتا تھا، لے لیتا تھا۔ پھر بجلی کی عظیم طاقت سے تمام دنیا میں فائدہ اٹھایا جانے لگا اور آج ہر طرف بجلی کی طاقت سے چلنے والے کارخانے، گلیوں اور گھروں میں چمکتے ہوئے بلب، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ساری دنیا کو فائدہ پہنچا رہے ہیں اور یہ سبق دے رہے ہیں کہ دُنیا میں وہی لوگ نام پاتے ہیں جو اپنے شوق، محنت اور لگن سے کسی کام میں لگے رہتے ہیں۔

مشق

(۱) قدرتی بجلی کی وہ کیا طاقت تھی جسے دیکھ کر سائنس دان مصنوعی بجلی حاصل کرنے کی طرف متوجّہ ہوئے؟

(۲) ایسی پانچ چیزوں کے نام لکھیے جو بجلی سے چلتی ہیں۔

(3) اِن الفاظ کو جملوں میں اِستعمال کیجیے:

چراغ الہ دین۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ذہانت۔ لگن۔ خاک سیاہ۔

(۴) عظیم موجد کا نام اور اُس کے کارنامے مختصر طور پر لکھیے۔

۵۔ بجلی کو چراغ الہ دین سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

کوئلے کی کہانی
اُس کی اپنی زبانی

میرا نام کوئلہ ہے۔ لوگ مجھے کالا ہیرا بھی کہتے ہیں۔ مَیں زمین اور پہاڑوں کے اندر رہتا ہوں اور لوگ مجھے حاصل کرنے کے لیے جب کسی پہاڑ یا زمین میں کوئی راستہ بناتے ہیں تو اُسے کان کہا جاتا ہے۔ یہ کان مجھے حاصل کرنے کا دروازہ بن جاتی ہے۔ اس کی تصویر آپ اُوپر سبق کے شروع میں دیکھ سکتے ہیں جب مجھے حاصل کرنے کے لیے کوئی نئی کان کھودی جاتی ہے تو پہلے مشینوں کے ذریعے کھُدائی کی جاتی ہے۔ پھر کان کے اندر داخل ہونے کے لیے راستے بنائے جاتے ہیں۔ کان کے اندر چھت کو سہارا دینے کے لیے یا تو مجھے ہی ستونوں کی شکل میں کھڑا کر دیا جاتا ہے یا لکڑی کی بڑی بڑی بلّیوں کے ستون بنا لیے جاتے ہیں۔ جب کان میں سے میری اصل مقدار نکل جاتی ہے تو اِن ستونوں کو ہٹا لیا جاتا ہے اور خالی جگہ کو ریت سے بھر دیا جاتا ہے۔

کانوں کی گہرائی میں جو پانی جمع ہو جاتا ہے اُسے بجلی کے پمپوں کے ذریعے باہر نکال دیا جاتا ہے، ورنہ کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ کانوں میں ہَوا کی آمد و رفت کی طرف بھی پُوری توجّہ دی جاتی ہے اور ہوا کو صاف کرنے کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے، کیونکہ میرے اندر جو بُخارات ہوتے ہیں وہ انسان کے لیے بُہت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اِس سے کان

میں آگ لگ جانے کا خطرہ بھی رہتا ہے، اِس لیے بجلی سے چلنے والے پنکھوں کے ذریعے تازہ ہَوا پیدا کی جاتی ہے۔

آپ کو اَب میری اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ مُجھے حاصل کرنے کے لیے انسان کتنی مِحنت کرتا ہے اور کتنے خطرے مول لیتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ بجلی کے عام اِستعمال اور پٹرول دریافت ہونے سے پہلے دُنیا کی ساری صنعتی ترقی میرے دَم سے قائِم تھی۔ یہ مَیں ہی تھا جس سے کارخانوں کی بھٹّیاں گرم کی جاتی تھیں، ریلوں کے انجن چلتے تھے، بحری جہازوں میں مُجھے اِستعمال کیا جاتا تھا اور سرد مُلکوں میں گرمی حاصل کرنے کے لیے سب کی زندگی کا دار و مدار مُجھی پر تھا۔

آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھر رہا ہوگا کہ اگر میں اتنا اہم اور مفید ہُوں تو مَیں کون ہُوں، کہاں سے آیا ہُوں۔ میرے ذخیرے پہاڑوں اور زمینوں میں کیسے چھُپے ہُوئے ہیں اور میری رنگت کالی کیوں ہے؟ تو میرے ننھّے دوستو! آج سے لاکھوں کروڑوں سال پہلے جب دنیا میں اِنسانوں کا، بستیوں کا اور دوسری طرح طرح کی چیزوں کا کوئی وجُود نہ تھا اور ساری زمین پر جنگل ہی جنگل پھیلے ہُوئے تھے اُس وقت زمین میں موسم کے اثرات کی وجہ سے ایسی تبدیلیاں آئیں کہ جنگل کے جنگل زمین میں دھنس گئے اور جنگل کے درخت گل سڑ کر پانی میں گِرنے لگے۔

پھر سینکڑوں، ہزاروں سال اِسی طرح گزر گئے۔ مٹّی، ہَوا اور پانی کے بوجھ سے یہ جنگل زمین میں گہرے دھنستے چلے گئے اور اُن کی موٹی موٹی تہیں جم گئیں۔ پھر زمین کی گرمی کی وجہ سے اُن کا رنگ سیاہ ہوتا گیا۔ جب اِس کالے رنگ کی موٹی موٹی تہیں خوب سخت ہو گئیں تو مَیں پیدا ہو گیا اور انھی تہوں کو کوئلہ کہا جانے لگا۔ پھر جب لوگوں نے مُجھے حاصل کرنے کے لیے زمین کھودنی شروع کی تو اُسے "کان" کا نام دیا گیا۔

مجھے سب سے پہلے سرد مُلکوں میں دریافت کیا گیا، کیونکہ اِن ملکوں کے لوگوں کو
گرمی حاصل کرنے کے لیے میری زیادہ ضرورت تھی لیکن جب دُنیا نے لوہا دریافت کر لیا تو
میری اہمیّت اور بڑھ گئی- لوہا بُہت سخت دھات ہوتی ہے- اِس کو پگھلانے کے لیے
دُنیا کو میری بڑی ضرُورت تھی- اِس طرح میری ضرورت اور اہمیّت ہر جگہ بڑھنے لگی
پھر جب جیمز واٹ نے بھاپ کا انجن دریافت کر لیا تو میری بادشاہت ساری دنیا نے
تسلیم کر لی-

مَیں دُنیا کے تمام مُلکوں میں موجود ہُوں- بس اگر کہیں میرا وجُود نہیں ہے
تو عرب مُلکوں میں- امریکہ اور کینیڈا میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہُوں- وہاں میری
مقدار ساری دُنیا میں دو تہائی کے برابر ہے- اِسی طرح جرمنی، برطانیہ اور رُوس میں
بھی بُہت بڑی مقدار میں ملتا ہُوں- چین میں بھی میرا سِکّہ چلتا ہے اور پاکستان
اور ہندوستان میں بھی ~~اکثر جگہ موجود ہُوں~~- میرے بڑے بڑے ذخیرے ہیں

پاکستان میں پنجاب کے مقامات ڈنڈوت، مکڑوال اور سندھ میں جھمپیر کے
مقام پر مُجھے نکالا جاتا ہے، لیکن پاکستان میں میرے سب سے بڑے ذخیرے بلوچستان
میں سور رینج، ڈگاری، شارگ، کھوسٹ، ہرنائی، دُکّی، مچھ اور پیر اسمٰعیل زئی کے
مقامات پر ہیں اور دوسرے بُہت سے مقامات پر بھی مُجھے دریافت کیا جا چکا ہے-
بلوچستان کی اہمیّت میری وجہ سے روز بروز بڑھ رہی ہے-

شروع میں آپ نے پڑھا ہے کہ مُجھے کالا ہیرا بھی کہا جاتا ہے- یہ نام مجھے صرف
میری اسی اہمیّت کی وجہ سے نہیں دیا جاتا جس کا ذکر آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں، بلکہ میں بہت
سی اور ایجادوں، مصنوعات اور کارآمد چیزوں میں بھی کام آتا ہوں- مجھ سے ایک
چیز نکالی جاتی ہے جسے بینزول کہا جاتا ہے، اور پانی کی طرح صاف ہوتی ہے- اس
شکل تک آنے میں اسپرین اور انیلسن جیسی مفید قوت بھی مُجھ سے حاصل کی جاتی

ہے، جس سے دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔

مجھ سے پلاسٹک بھی تیار کی جاتی ہے، جو دُنیا کی تجارت میں اب بہت اہمیت حاصل کرچکی ہے۔ کپڑے، تھیلے، برتن، چمچے اور گلاس وغیرہ سب اِسی پلاسٹک سے تیار کیے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ سڑکیں بنانے کے لیے تارکول کیمیاوی کھاد، صابن، مشین کے پُرزوں کا تیل اور مختلف قسم کی وارنش اور آئس کریم کے لیے خوشبوئیں بھی مُجھی سے بنائی جاتی ہیں۔ گو میرا رنگ کالا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ میرے اتنے فائدے ہیں کہ زمین سے نکلنے والی کسی اور دولت کے نہیں۔ آپ نے دیکھا میری صُورت تو کالی ہے مگر آئس کریم کی خوشبو جیسی چیز بھی مجھ سے بنتی ہے۔ اگر لوگ مجھے کالا ہیرا کہتے ہیں تو غلط نہیں کہتے۔ اصل چیز صورت نہیں، سیرت ہوتی ہے اور یہ مَیں آپ کو بتا ہی چکا ہُوں کہ میری سیرت کتنی اچھّی ہے اور میں کِس کِس رُوپ میں اِنسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہُوں۔

مشق

۱۔ قدرتی کوئلہ زمین میں کیسے پیدا ہوا؟

2۔ دُنیا میں سب سے زیادہ کوئلہ کہاں کہاں پایا جاتا ہے؟

3۔ پاکستان میں کوئلہ کہاں کہاں ملتا ہے؟

۴۔ کوئلہ کن کن مصنوعات میں استعمال کیا جاتا ہے؟

5۔ کوئلہ کی کان کی سیر کا حال لکھیے۔

6۔ مناسب لفظ لگا کر جملے مکمّل کیجیے:

(I) کوئلہ ہی سب سے مفید اور کارآمد ـــــ تھا۔

(II) لوگ ـــــ سے بچنے کے لیے کوئلہ استعمال کرتے ہیں۔

(III) آپ کو اب میری ـــــ کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔

(IV) اگر لوگ مُجھے ـــــ کہتے ہیں تو غلط نہیں کہتے۔

کفایت شعاری

ماں:۔ (غصے سے) یہ بھی کوئی بات ہے۔ غضب خدا کا جب دیکھو کسی نہ کسی چیز کے لیے بچوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔ ذرا خیال نہیں۔۔۔

باپ:۔ کیا بات ہے کیوں ناراض ہو رہی ہو؟

ماں:۔ بات کیا ہوتی، وہی ان پڑوسیوں کا قصہ۔

باپ:۔ محمود صاحب کی بات کر رہی ہو کیا؟

ماں:۔ جی ہاں! انھی کی بات ہے اور کس کی ہوتی۔

باپ:۔ آخر ہوا کیا؟

ماں:۔ ایک سال ہو گیا ہے انھیں چیزیں مانگتے ہوئے۔ کبھی گھی چاہیے کبھی پیاز کبھی آٹا، حد یہ ہے کہ آج دودھ منگایا جا رہا ہے۔

باپ:۔ تو اس میں کیا بات ہے، ضرورت کے وقت چیز مانگ ہی لی جاتی ہے۔

ماں:۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ مجبوری ہر آدمی کے لیے ہوتی ہے مگر ایسا تو کبھی نہیں ہوتا کہ سوئی دھاگے سے لے کر دودھ گھی تک ہر چیز دوسروں کے یہاں سے منگوائی جائے۔ آدمی کی اپنی عزت بھی تو ہوتی ہے۔

باپ:۔ مگر تم یہ تو سوچو کہ محمود کا کنبہ کتنا بڑا ہے۔ دس آدمی کھانے والے ہیں۔ آمدنی کم ہے، مہنگائی بہت ہے، ضرورت ہوتی ہے تو چیز مانگ لیتے ہیں۔

ماں:۔ آپ کی بات میں مان لیتی ہوں، مگر یہ بتائیے کہ آخر طارق صاحب کا بھی تو گھر ہے۔ کیا ان کے یہاں آدمی کم ہیں؟ ان کی بھی آمدنی

انتی ہی ہے جتنی محمود صاحب کی، مگر کیا مجال جو کبھی انھوں نے کوئی چیز مانگی ہو۔ اگر ضرورت کی کوئی چیز مانگ بھی لی تو اگلے ہی روز واپس بھیج دی۔ خود ہمارے ہاں کھانے والے کیا کم ہیں۔ کونسی بڑی آمدنی ہے ہماری۔

باپ:۔ ہاں یہ بات تو ہے، مگر اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔

ماں:۔ نہیں وجہ یہ ہے کہ طارق صاحب کے ہاں، جتنے کھانے والے ہیں، اتنے کمانے والے بھی ہیں۔ ان کی ہر لڑکی میٹرک کرتے ہی کچھ نہ کچھ کام کرنے لگتی ہے۔ کوئی کشیدہ کاری میں لگ گئی، کوئی استانی ہو گئی۔ لڑکے بیچارے ابھی پڑھتے ہیں، مگر کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے ہیں۔ پھر عورت کا اپنا سلیقہ بھی ہوتا ہے۔ آمدنی کے لحاظ سے خرچ کرنا اور اچھی زندگی گزارنا سلیقے سے آتا ہے۔

باپ یہ بات تو تم واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو۔ محمود صاحب کے لڑکوں، لڑکیوں میں احساس ذمہ داری نہیں ہے۔ سب بس کھاتے ہی ہیں۔ بے شک پڑھ بھی رہے ہیں مگر کچھ کرنے کی کوشش نہیں کرتے، جبھی تو پورا نہیں پڑتا۔

ماں:۔ پرانی مثل ہے "جتنی چادر دیکھو اتنے پاؤں پھیلاؤ"۔ آمدنی کم ہو اور کھانے والے زیادہ تو گھر والوں کو کفایت شعاری سے کام لینا چاہیے۔

باپ:۔ اس بات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے۔ اگر ملک کے سب لوگ اس کا خیال رکھیں تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اب دیکھو اناج تک ہمیں باہر سے منگوانا پڑتا ہے۔ آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، کھانے

والے ہر گھر میں بڑھتے جا رہے ہیں اور پیداوار میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہو رہا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اناج بھی باہر سے منگانا پڑتا ہے۔ ملک کا کتنا پیسہ صرف اس میں خرچ ہو جاتا ہے۔

ماں :- بلوچستان کی تو آبادی بھی بہت کم ہے۔ اگر یہاں زمینوں کو آباد کیا جائے، پیداوار بڑھائی جائے تو نہ اناج باہر سے منگانا پڑے نہ کوئی مشکل پیش آئے۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے۔ جہاں کہیں پانی ہے یا کبھی بارش ہو جاتی ہے تو زمین سونا اگلتی ہے۔

حامد :- مگر امی! یہاں پانی کی کمی کی وجہ سے کھیتی باڑی بہت کم ہوتی ہے۔ اگر پانی کا انتظام ہو جائے تو ہمارے صوبے میں اتنی پیداوار ہو سکتی ہے کہ ہم دوسرے صوبوں کی ضرورت بھی پوری کر سکتے ہیں۔

باپ :- بھئی پانی کا انتظام حکومت کر رہی ہے۔ ہر جگہ بند بنائے جا رہے ہیں۔ اب لوگ محنت کر کے زمینوں کو کاشت کریں اور ان سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کریں۔

ماں :- بات تو ہو رہی تھی کفایت شعاری کی، آپ نے پیداوار اور زمینوں کا قصّہ شروع کر دیا۔

باپ :- کفایت شعاری تو خیر سب سے زیادہ ضروری ہے۔ جو لوگ کفایت شعار ہوتے ہیں اور سلیقے سے اپنا گھر چلاتے ہیں، وہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

ماں :- اور کیا، یہی تو میں بھی کہہ رہی تھی کہ اگر محمود صاحب کی بیوی گھر کو سلیقے سے چلائیں تو اس آمدنی میں عزت سے گزارا ہو سکتا ہے۔ مگر خرچ کے معاملے میں تو ان کو سلیقہ آتا ہی نہیں۔

میرا خدا ہے میرے ساتھ

ہے ہمیشہ مری خدا پہ نظر ‏ ‏ ‏ ‏ رات ہو، دن ہو، شام ہو کہ سحر
نہ اجالے میں ہے کسی کا ڈر ‏ ‏ ‏ ‏ نہ اندھیرے میں کوئی خوف و خطر
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ٹوٹ کر آسمان کے تارے ‏ ‏ ‏ ‏ شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے
وہم کرتے ہیں لوگ بے چارے ‏ ‏ ‏ ‏ میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

میرے رستے میں ہو اگر میدان ‏ ‏ ‏ ‏ یا پرانا کھنڈر کوئی سنسان
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستان ‏ ‏ ‏ ‏ نہ خطا ہوں وہاں مرے اوسان
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ہو بیابان میں گذر میرا ‏ ‏ ‏ ‏ یا سمندر پہ ہو سفر میرا
دور رہ جائے مجھ سے گھر میرا ‏ ‏ ‏ ‏ رہے پھر بھی قوی جگر میرا
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

اسمٰعیل میرٹھی

مشق

1 - آسمان سے ٹوٹ کر گرتے ہوئے تاروں کو دیکھ کر لوگ کیوں گھبراتے ہیں؟

2 - ان محاوروں اور لفظوں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

اوسان خطا ہونا۔ خوف و خطر، گذر ہونا۔ وہم کرنا۔ سمندر۔ جگر قوی ہونا۔

3 - (میدان، اوسان) (تارے، بیچارے) (سحر۔ خطر) ہر ایک کے ہم آواز پانچ پانچ الفاظ لکھیے۔

4 - سحر۔ خطر۔ وہم۔ اوسان۔ بیابان۔ قوی۔ ان لفظوں کے معنے لغت میں تلاش کرکے اپنی کاپی میں لکھیے۔

صحت کی حفاظت

جب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم مدینہ شریف میں رہتے تھے تو ایک طبیب بھی وہاں آگیا تاکہ حضوؐر اور مسلمانوں کی خدمت کرے اور جو کوئی بیمار ہو اس کا علاج کرے۔ مگر کئی روز گزر گئے اور کوئی مریض علاج کے لیے اس کے پاس نہ آیا۔ وہ بہت حیران ہوا کہ عجیب شہر ہے، یہاں کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا۔

آخر ایک روز حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ! مجھے اس شہر میں آئے ہوئے کئی روز ہو گئے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کوئی بیمار میرے پاس علاج کے لیے نہیں آیا"۔ حضوؐر نے ارشاد فرمایا: "یہاں کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا پھر علاج کون کرائے"۔ حکیم صاحب نے اور بھی حیران ہو کر دریافت کیا۔ یا رسول اللہؐ! "یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی بھی بیمار نہ ہو؟" حضوؐر نے فرمایا کہ "میرے ساتھی اس وقت کھاتے ہیں، جب خوب بھوک لگتی ہے اور ابھی بھوک باقی ہوتی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی ان کی تندرستی کا راز ہے"۔ حکیم صاحب کہنے لگے۔ "واقعی یا رسول اللہؐ! یہ طریقہ ایسا ہے، جس سے آدمی ہر بیماری سے محفوظ رہ سکتا ہے"۔

تندرستی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر کسی آدمی کو دنیا بھر کی نعمتیں حاصل ہوں، مگر اس کی صحت اچھی نہ ہو تو وہ سب نعمتیں اس کے لیے بے کار ہو جاتی ہیں۔ نہ کھانے کو دل چاہتا ہے نہ پینے کو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم کو ایک مشین کی طرح بنایا ہے جس میں سینکڑوں کل پُرزے لگا دیے ہیں اور اُن کے سپرد کچھ کام ہیں۔ اگر وہ پُرزے اپنے اپنے کام ٹھیک کرتے رہیں تو آپ تندرست

کھلائیں گے، آپ کا جسم بھی صحیح رہے گا اور دماغی قوتیں بھی ٹھیک کام کریں گی۔
صحت کی حفاظت کے لیے یوں تو بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے مگر بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی احتیاط بہت ضروری ہے۔

ان میں سے ایک تو "ہوا" ہے۔ آپ یہ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہوا زندگی کے لیے کتنی ضروری ہے۔ اگر یہ تھوڑی دیر کے لیے بھی بند ہو جائے تو بس جان ہی نکل جائے۔ اسی لیے قدرت نے ہوا کو ایسا بنایا ہے کہ ہر وقت، ہر جگہ اور جتنی چاہیں مل سکتی ہے۔ اس لیے ایسی جگہ رہنا چاہیے جہاں ہر وقت صاف ہوا مل سکے، کیونکہ گندی ہوا صحت کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ اگر آپ ایسے کمرے میں رہتے ہیں جس میں اور بھی کئی آدمی ہوں تو کمرے کے روشن دان اور کھڑکیاں کھلی رکھیے تاکہ آپ کو ہر وقت صاف ہوا مل سکے۔

دوسری چیز "خوراک" ہے۔ غذا بہت سادہ، جلدی ہضم ہونے والی اور ایسی کھانی چاہیے جس سے قوت بڑھے۔ چٹ پٹی اور زیادہ چکنائی والی خوراک کا استعمال اچھا نہیں۔ غذا کے لیے وقت بھی مقرر ہونا چاہیے اور اتنی کھانی چاہیے جتنی صحت کے لیے ضروری ہو۔ بعض بچے سارا دن کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہیں، اس لیے وہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتے ہیں۔ آج بخار ہے تو کل کھانسی زکام ہے، کبھی پیٹ میں درد ہے، تو کبھی سر میں۔ نہ وہ اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے ہیں اور نہ کھیل کود میں حصہ لے سکتے ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے:

"جب کھانا کھاؤ تو ~~اس وقت اپنا ہاتھ روک لو جب~~ ابھی کچھ بھوک باقی ہو تو اپنا ہاتھ روک لو"

تیسری چیز "پانی" ہے۔ صاف پانی بھی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر پانی میلا، گدلا، یا بدبودار ہو تو وہ پانی نہیں پینا چاہیے کیونکہ اس سے بہت سی بیماریاں پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ پانی پینے ہی کے کام نہیں آتا، کپڑوں کی، جسم کی اور

گھر کی صفائی کے لیے بھی ضروری ہے۔ جسم کو صاف رکھنے کے لیے صاف اور ٹھنڈے پانی سے نہانا ضروری ہے۔ جسم کی کھال میں بہت سے باریک سوراخ ہوتے ہیں انہیں "مسام" کہتے ہیں ان سے بدن کا میل پسینے کے ذریعہ نکلتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے یہ سوراخ بند ہوجاتے ہیں۔ نہانے سے یہ سوراخ کھلے رہتے ہیں۔ اگر جسم کمزور ہو تو نیم گرم پانی سے نہانا چاہیے۔

صحت کے لیے صاف ہوا، سادہ غذا اور صاف پانی کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ رات کو جلدی سونے اور صبح سویرے اٹھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ صبح کے وقت ہوا تازہ اور خوشگوار ہوتی ہے، اگر صبح سویرے سیر کی جائے تو تازہ ہوا سے بہت فائدہ ہوگا۔ صبح کو لمبی سیر کرنا سب سے اچھی ورزش ہے۔ ورزش بھی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ ورزش سے جسم میں طاقت آتی ہے، بھوک بڑھتی ہے، غذا آسانی سے ہضم ہوجاتی ہے اور خون صاف ہوتا ہے۔

پان، سگریٹ، بیڑی، حقہ اور دوسری نشہ پیدا کرنے والی چیزوں کے استعمال سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ یہ چیزیں انسان کی صحت کو بالکل تباہ کر دیتی ہیں۔ خاص طور پر برے آدمیوں کے ساتھ ہرگز میل جول نہ رکھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بہت سی بری عادتیں پڑجاتی ہیں اسی طرح خوف، غصہ، رنج اور فکر سے بھی صحت خراب ہوجاتی ہے۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔

صفائی، سادگی، برائیوں سے بچنا، کام کے وقت کام اور کھیل کے وقت کھیل ایسی عادتیں ہیں جن سے صحت اچھی رہتی ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ صحت مند دماغ صحت مند جسم ہی میں ہوتا ہے اور دنیا میں وہی لوگ ترقی کرتے ہیں جن کے جسم اور دماغ دونوں صحت مند ہوتے ہیں۔ صحت کی حفاظت کے یہ اصول

کامیابی کا زینہ ہیں۔ اگر آپ ان پر عمل کریں گے تو یقین رکھیے کہ آپ کی زندگی آرام چین سے بسر ہو گی۔

مشق

نبی اکرم

1۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم نے صحت کی حفاظت کے لیے کیا طریقہ ارشاد فرمایا ہے؟

کون کون سے ہیں؟

2۔ صحت کی حفاظت کے بڑے بڑے اصول بتائیے۔

3۔ صحت قائم رکھنے کے لیے کن کن چیزوں سے احتیاط برتنی چاہیے؟

4۔ واحد کے جمع لکھیے۔

نعمت۔ جسم۔ طبیب۔ عادت۔ غذا۔ ورزش۔ کھڑکی۔

5۔ ان جملوں کا مطلب بیان کیجیے۔

(i)۔ تندرستی بہت بڑی نعمت ہے۔

(ii) یہی ان کی تندرستی کا راز ہے۔

(iii) صحت مند دماغ صحت مند جسم ہی میں ہوتا ہے۔

(iv) صحت کی حفاظت کے لیے یہ اصول کامیابی کا زینہ ہیں۔

6۔ خالی جگہ میں مناسب لفظ لگا کر جملے مکمل کیجیے۔

(i)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم کو ایک ------- کی طرح بنایا ہے۔

(ii)۔ گندی ہوا ------ کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔

(iii)۔ اگر جسم کمزور ہو تو نیم ------ پانی سے نہانا چاہیے۔

(iv)۔ برے آدمیوں کے ساتھ ہرگز ------ نہ رکھنا چاہیے۔

(v)۔ جسم کی کھال میں بہت سے باریک ------- ہوتے ہیں۔

بلوچ مجاہد

حامد: بھائی جان! آج بازار میں بڑے بڑے اِشتہار لگے ہوئے ہیں۔ اُن پر ایک تصویر ہے اور نیچے یہ شعر لکھا ہُوا ہے۔ مَیں نقل کر لایا ہُوں:

لفظِ بلوچ مہر و وفا کا کلام ہے ۔ معنے ہیں اِس کلام کے یُوسف علی عزیز

بھائی جان: اوہ، کل ۳۱ مئی ہے نا! یوسف عزیز مگسی کی یاد میں کوئی جلسہ ہو رہا ہوگا اُسی کے اِشتہار ہوں گے۔

حامد: کون تھے یہ یوسف عزیز مگسی؟ بلوچستان کے کوئی بڑے آدمی تھے کیا؟

بھائی جان: ہاں حامد میاں! وہ ایک بڑے سردار کے بیٹے تھے، مگر اُن کی بڑائی اِس لیے نہیں کہ وُہ سردار کے بیٹے تھے بلکہ وہ اِس لیے بڑے آدمی تھے کہ اُن کے دِل میں غریبوں کا درد تھا۔ وہ بلوچستان کے عوام کو تعلیم یافتہ بنانا چاہتے تھے اور اُن کی آرزو تھی کہ بلوچستان بھی اُسی طرح ترقی کرے جس طرح بّرِصغیر کے دُوسرے عِلاقے ترقی کر رہے ہیں۔

حامد: یہ شعر جو اِشتہار پر لکھا ہُوا ہے یہ بھی اُنھی کا ہے؟

بھائی جان: نہیں حامد میاں یہ شعر تو مولانا ظفر علی خان کا ہے جو اُنھوں نے یوسف عزیز مگسی کی تعریف میں لکھا تھا۔ ویسے یوسف عزیز مرحوم خود بھی بُہت اچّھے شاعر تھے۔

حامد: اچّھا، مولانا ظفر علی خان نے بھی اُن کی تعریف کی ہے۔ تب تو واقعی وہ بڑے آدمی ہوں گے۔

بھائی جان: ہاں میاں! یوسف عزیز مرحوم بُہت بڑے ادیب، صحافی اور شاعر تھے۔ اُنھوں نے بلوچستان کے عوام کو بیدار کیا، وطن کی آزادی کے لیے بڑی قربانیاں دیں اور بلوچستان میں تعلیم پھیلانے کی بُہت کوشش کی۔

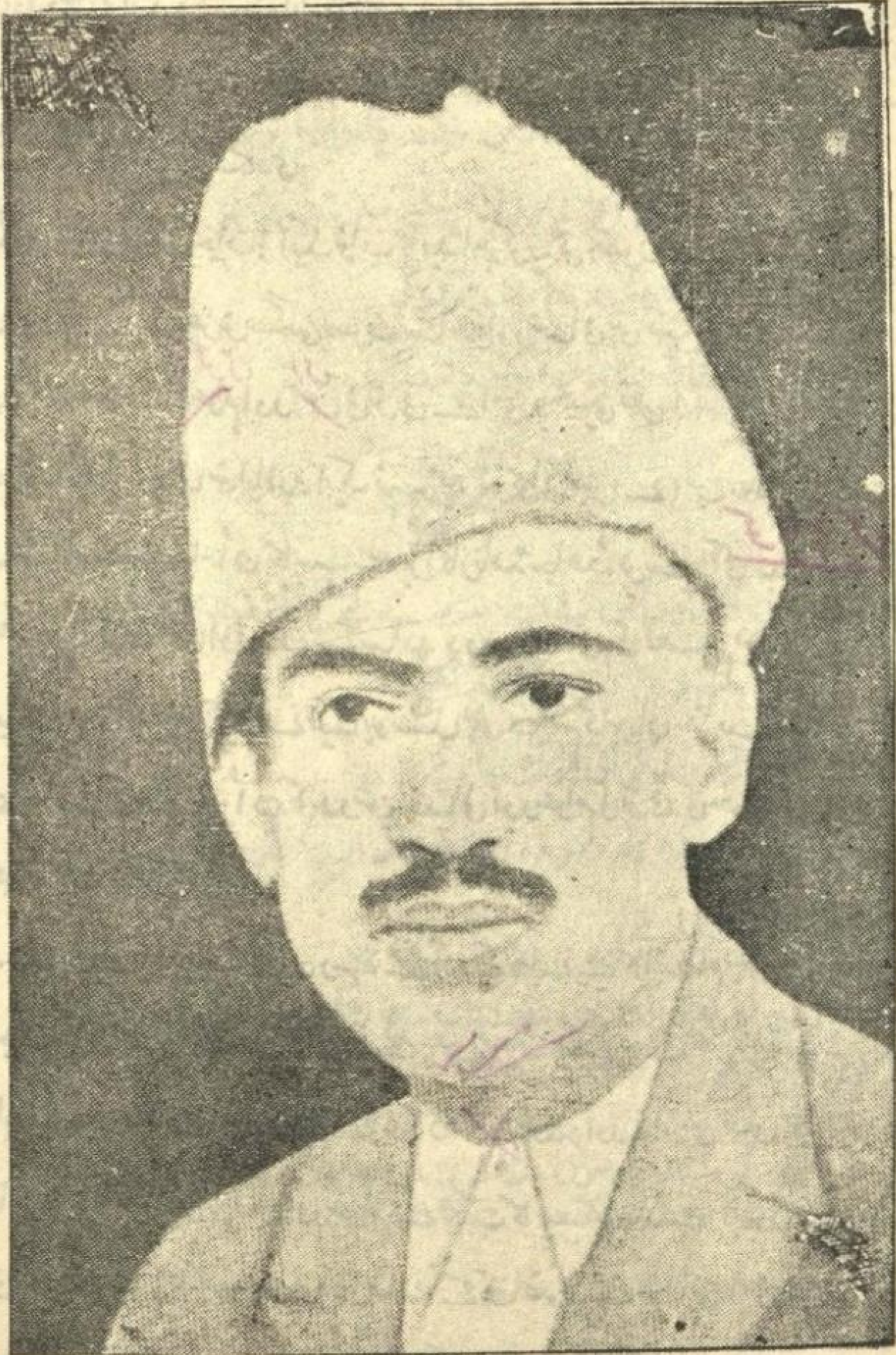
حامد: بھائی جان! اُن کے کچھ حالات ہمیں بھی سُنا دیجیے۔

بھائی جان: یوسف عزیز مگسی، بلوچستان کے ایک بہت بڑے سردار نواب قیصر خان کے بیٹے تھے۔ اُن کے دو بھائی اور تھے۔ ایک اُن سے بڑے تھے، سردار گل محمد خان زیب۔ وہ بھی فارسی کے شاعر تھے۔ مگر یوسف عزیز کو جو شہرت حاصل ہُوئی وہ غریبوں کا ہمدرد ہونے کی وجہ سے تھی۔ وہ اپنے قبیلے اور علاقے کی ترقی کے لیے بھی کوشش کرتے تھے اور پُورے بلوچستان کے لیے بھی۔ وہ مولانا محمد علی جوہرؔ، علامہ اقبالؔ، اور مولانا ظفر علی خان کے بہت عقیدت مند تھے اور برِصغیر کے دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی طرح پُوری قوم کی آزادی کے لیے دل وجان سے کوشش کرتے تھے۔

حامد: بھائی جان! آپ نے میرا شوق بڑھا دیا ہے۔ اب تو مَیں اُن کے متعلق آپ سے پوری معلومات حاصل کرُوں گا۔

بھائی جان: تو مَیں کب انکار کررہا ہُوں، سُنا تو رہا ہُوں۔ تم بھی اطمینان سے سُنتے رہو۔ وہ ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب برِصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کے لیے تحریک شروع ہو چکی تھی اور انگریز حکمران تحریک آزادی کو پوری قوّت سے کچل رہے تھے۔ یوسف عزیز مگسی بھی اِس تحریکِ آزادی سے متاثر تھے اور اُنھوں نے بلوچستان میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد کے لیے اپنا قلم، ذاتی صلاحیتیں اور زندگی کا ہر لمحہ وقف کر دیا تھا۔ وہ بلوچستان کے صوبے میں آزادی کی لگن پیدا کرنے والے پہلے مجاہد تھے، جنھوں نے قلم کے ذریعے پورے بلوچستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کے لیے تیار کیا اور بلوچستان کا علاقہ بھی برِصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح آزادی کی لگن میں کسی سے پیچھے نہ رہا۔

یوسف عزیز مگسی کی ادبی، سیاسی اور صحافتی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے 1932ء میں جیکب آباد میں پہلی بلوچ کانفرنس بلائی۔ 1933ء میں آپ نے برطانوی پارلیمنٹ کو بلوچستان کی آزادی کے لیے ایک یادداشت روانہ کی۔ آپ نے بلوچستان کے عوام کے جذبات کی ترجمانی کے لیے کراچی سے پہلا بلوچی زبان کا اخبار جاری کیا اور اُس میں آپ نے غلامی کے خلاف بہت تیز اور



یوسف عزیز مگسی مرحوم

ولولہ انگیز مضامین لکھنے شروع کیے - چنانچہ ایک ایسے ہی مضمون کی اشاعت پر آپ کو دو سال قید کی سزا اور دس ہزار روپیہ جرمانہ کیا گیا - مگر اس سے آپ کی ہمتیں پست نہ ہوئیں بلکہ آپ کے جوش اور جذبے میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور اسی جوش اور جذبے نے پورے بلوچستان میں انگریزوں کے خلاف آگ سی لگا دی۔

حامد : واقعی بھائی جان! ایک نواب کا بیٹا ہو کر یہ تو انہوں نے کمال کر دیا۔

بھائی جان : یوسف عزیز مگسی صرف شاعر اور صحافی ہی نہیں تھے بلکہ انہیں اپنے ہم وطنوں اور اپنے علاقے کے عوام اور اس کی ترقی سے اتنی دلچسپی تھی کہ انہوں نے اپنے علاقے میں ایک سکول قائم کیا، ایک اسپتال بنوایا اور ایک نہر تعمیر کرائی جس نے اس علاقے کی ترقی اور عوام کی بھلائی میں بڑا اہم حصہ لیا - ان کا سب سے بڑا کارنامہ "جامعۂ یوسفیہ" کی بنیاد رکھنا تھا جہاں دینیات کی تعلیم لازمی تھی اور اس کے ساتھ دوسرے علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی - اس جامعۂ یوسفیہ کے ساتھ ہی آپ نے ایک ہوسٹل بھی قائم کیا جہاں غریب طالب علم آکر رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے - ان کی روشن خیالی اور عوام کی ترقی کی خواہش نے انہیں پورے بلوچستان کا محبوب بنا دیا تھا۔

حامد : جو طالب علم ہوسٹل میں رہتے تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی وہی کرتے تھے؟

بھائی جان : ہاں سب انتظام وہی کرتے تھے - یہی نہیں بلکہ یوسف عزیز مگسی بلوچی زبان کے بہت بلند پایہ شاعر بھی تھے اور بلوچی کے علاوہ کو اردو اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے - ان کی تمام شاعری میں آزادی کی لگن اور عوام سے محبت کا پیغام ملتا ہے انہوں نے بلوچستان میں ایک ایسی ادبی تحریک شروع کی جو موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنی قومی روایات اور امنگوں سے بھری ہوئی ہے - لیکن یہ ہمارے صوبے کی بدنصیبی تھی کہ یہ روشن خیال شاعر اور آزادی کا مجاہد کوئٹے کے زلزلے میں 31 مئی 1935ء کو وفات پا گیا - اس وقت ان کی عمر صرف 27 برس تھی - اگر ان کی زندگی اتنی جلد ختم نہ ہو جاتی تو آج بلوچستان کے عوام تعلیمی میدان

میں بہت آگے نکل چکے ہوتے۔ مگر انھوں نے اپنی مختصر زندگی میں جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ اُن کا نام بلوچستان کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رکھیں گے۔

حامد: تب ہی کل ۳۱ مئی کو اُن کی یاد میں جلسہ کیا جا رہا ہو گا، اِسی لیے یہ اشتہار لگے ہوئے ہیں۔

بھائی جان: ہاں حامد میاں! کل تیار رہنا، جلسے میں تمھیں بھی لے چلیں گے، وہاں تمھیں ان کے متعلق اور بھی بہت سی معلومات حاصل ہوں گی۔

حامد: بہت اچھا بھائی جان! کل ضرور چلوں گا۔

مشق

۱۔ بلوچ مجاہد کون تھا اور اُس نے اپنے صوبہ کے لیے کیا کیا مفید کام کیے؟

2۔ پاکستان کے پانچ مشہور شاعروں کے نام لکھیے۔

3۔ اِن لفظوں میں سے مذکر اور مؤنث بتائیے:

نہر، اسکول، مصیبت، کام، مرد، روشنی، اِنسانیت، صُوبہ، تعلیم۔

4۔ اِن الفاظ سے جُملے بنائیے:

جلسہ۔ آرزو۔ تعریف۔ آزادی۔ عقیدت مند۔ مضمون۔ روشن خیال۔

5۔ جمع کے واحد لکھیے:

غریبوں۔ عوام۔ قربانیاں۔ ادیبوں۔ شاعروں۔ معلومات۔ صلاحیتیں۔ روایات۔

خضر کا کام کروں، راہ نما بن جاؤں

درد جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں — کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دعا بن جاؤں

اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں — روشنی جن میں نہیں نور جن آنکھوں میں نہیں
میں ان آنکھوں کے لیے نور وضیا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہو اگھس سے نکلے — اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں اس آنسو کے سکھانے کو ہوا بن جاؤں

دور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی — جب مسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

عمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں — ناتوانی سے جو ہر روز جھکے جاتے ہیں
ان ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

حامد اللہ افسر

مشق

1- شاعر نے اس نظم میں کس کے دل کی باتیں بیان کی ہیں ؟

2- اس نظم کو زبانی یاد کیجیے

3- ان مصرعوں کو آسان لفظوں میں لکھیے۔

کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں

خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

4- لغت میں تلاش کر کے ان لفظوں کے معنے لکھیے۔

لب - بینائی - نور - ضیا - منزل - ناتوانی - عصا -

5- اس نظم میں شفا - دعا - ہوا - عصا - الفاظ آئے ہیں - آپ ایسے ہی دس الفاظ لکھیے۔

سمندروں کا سردار

ملک یونان کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جسے الیوپیا کہا جاتا تھا۔ اس جزیرے کو ترکیہ کے مشہور بادشاہ سلطان محمد ثانی نے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا اور اس کی حکومت اپنے ایک افسر یعقوب کو دے دی تھی۔ یعقوب کے چار بیٹے تھے۔ اسحٰق، الیاس، عروج اور خضر۔ جب یعقوب کا انتقال ہو گیا تو اس کے بڑے بیٹے نے تجارت شروع کر دی اور بہت جلد الیوپیا کا بڑا مالدار تاجر بن گیا۔ اس کے تینوں چھوٹے بھائیوں نے بحری فوج میں ملازمت کر لی۔ دراصل ان تینوں کو سمندری سفر اور دور دور کے ملکوں کی سیر کا بڑا شوق تھا۔ الیاس ایک بحری جنگ میں مارا گیا، مگر عروج اور خضر نے سمندر پر اپنی فتح کے جھنڈے اس طرح گاڑے کہ رہتی دُنیا تک عروج باربروسہ اور خیرالدین باربروسہ کا نام زندہ رہے گا۔ خیرالدین، خضر کا وہ نام تھا جس سے اس نے اتنی شہرت پائی کہ جب بھی باربروسہ کا لفظ سامنے آتا ہے تو اس سے مراد خیرالدین باربروسہ ہی ہوتا ہے، لیکن اس وقت ہم اس کے بڑے بھائی عروج کے کارناموں کا ذکر تمھیں سناتے ہیں، جس نے مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں اور اپنے چھوٹے بھائی کے کارناموں کے لیے راستہ صاف کیا۔ یہ دونوں بھائی امیرالبحر جیسے بڑے عہدے تک پہنچے۔

پہلے ہم تمھیں یہ بتاتے ہیں کہ ان دونوں بھائیوں کو "باربروسہ" کیوں کہتے ہیں۔ پرتگالی زبان میں "بار بوزا" لال داڑھی والے کو کہتے ہیں۔ عربوں میں یہ رواج عام تھا کہ جب ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہونے لگتے تھے تو وہ

ان پر مہندی لگا کر انہیں لال کر لیا کرتے تھے۔ عربوں سے یہ رواج ترکوں میں بھی پھیل گیا اور پرتگالی جب بھی کسی سرخ داڑھی والے ملاح یا جہازراں کو دیکھتے اسے "باد بوزا" کے نام سے پکارتے تھے۔ اسی لفظ کو عربی اور ترکی میں باربروسہ کہا جانے لگا۔

عروج باربروسہ کی شروع سے یہ عادت تھی کہ جب بھی اس کو کہیں سے آمدنی ہوتی تو وہ اسے جمع کر کے جہاز خرید لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس جہازوں کا ایک بیڑہ بن گیا۔ جب بھی کوئی جنگ ہوتی لوگ اس کی بہادری اور بحری جنگ میں مہارت کے سبب منہ مانگا معاوضہ دیتے اور عروج ابتدا میں اسی طرح اپنا بیڑہ کرایہ پر دے کر خوب روپیہ کمایا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا بیڑا اتنا مضبوط اور بڑا ہو گیا اور اس کی شہرت اتنی پھیلی کہ خود سلطنت عثمانیہ کی بحری جنگوں میں اس نے حصہ لیا اور ترکی بیڑے کے شانہ بشانہ دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔

ہم جس وقت کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ تھا، جب سپین سے مسلمانوں کو نکالا جا رہا تھا اور تباہ حال مسلمان چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر افریقہ کے ساحل پر پناہ لے رہے تھے۔ اس پر بھی عیسائی سمندری ڈاکو ان مظلوم مسلمانوں پر حملے کرتے تھے۔ سمندری ڈاکوؤں کے یہ ظلم و ستم دیکھ کر ترکیہ کے عثمانی خلیفہ نے عروج باربروسہ کو ان ڈاکوؤں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ عروج باربروسہ نے اپنے چھوٹے سے بیڑے کی مدد سے ان عیسائی ڈاکوؤں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ عروج نے اپنا مستقل اڈہ تونس کی بندرگاہ کو بنا لیا۔ وہ وہاں سے عیسائی لٹیروں پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑتا۔ پھر سپین کے تباہ حال مسلمانوں کو بحفاظت تونس تک لاتا اور کچھ روز اپنے پاس رکھ کر انہیں مستقل طور پر آباد کرنے کے لیے اندرون ملک روانہ کر دیتا تھا۔ عروج باربروسہ کی یہی خدمات تھیں جن کی وجہ سے سلطان

تونس نے اسے اپنے ملک کا امیر البحر مقرر کیا۔ اس اعزاز اور عظیم ذمہ داری کے بعد امیر البحر عروج باربروسہ کی صلاحیتیں اور بھی ابھرنے لگیں۔ اس نے جہاز سازی کے کارخانے کھولے، فن جہاز رانی کی درس گاہیں قائم کیں اور بندرگاہوں کو وسیع اور کار آمد بنانے کی بڑی کوششیں کیں۔ اسی وجہ سے تونس کی بندرگاہ آج بھی دنیا کی بہترین بندرگاہوں میں شمار کی جاتی ہے۔

امیر البحر عروج جب یہ کام کر چکا تو اس نے مسلمانوں کے دشمن عیسائی ملکوں کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور جنوبی یورپ کے تمام ملکوں کی پوری بحری قوت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ ایک وقت وہ آیا جب اس کے مقابلے پر یورپ کے تمام ملکوں کی متحدہ بحری قوت آ گئی اور اس نے تن تنہا اس کو شکست فاش دی۔ یہ امیر البحر عروج کے انتہائی عروج اور شہرت کا زمانہ تھا۔ لیکن اس کی ایک دلی خواہش یہ تھی کہ اسے کسی طرح سپین کی بحری طاقت کو ختم کرنے کا موقع مل جائے جس نے مسلمانوں کو انتہائی ظلم و ستم اور بے رحمی کے ساتھ ملک بدر کر دیا تھا۔ اس کی یہ سب سے بڑی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح سپین سے جنگ کر کے اپنے مسلمان بھائیوں کے خون کا بدلہ لے۔

یوں تو اس نے شروع ہی سے سپین کے سمندری جہازوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا، اب وہ اور بھی زور شور سے وہ ان کے خلاف کارروائیاں کرنے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سپین کی پوری قوت عروج کو تباہ کرنے کے لیے میدان میں آ گئی۔ عروج کی آرزو پوری ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک خوفناک جنگ کر کے بعد سپین کو ذلت آمیز شکست دے کر شاندار فتح حاصل کی اور ساری دنیا اس کے نام اور کارناموں سے واقف ہو گئی۔

سپین کی حکومت اپنی اس ذلت آمیز شکست کو کبھی نہ بھول سکی اور وہ اس موقع کی تاک میں رہی کہ کب وہ امیر البحر عروج سے اپنی ذلت

کا انتقام لے۔ سپین کی حکومت نے اس کے لیے بڑے زور شور سے تیاریاں شروع کردیں اور پندرہ ہزار بحری اور دس ہزار بری فوج لے کر عروج کی تلاش شروع کر دی۔ اتفاق سے عروج اس زمانے میں "الجزیرہ" میں مقیم تھا اور ہر طرف سے بے فکر ہو کر وہ "طلسمان" نامی جزیرے میں شکار کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف پندرہ سو سپاہی تھے۔ اسپینی فوج کو اس سے بہتر موقع اور کون سا مل سکتا تھا۔ انھوں نے چپکے سے جزیرہ طلسمان پر حملہ کر دیا۔ عیسائی لشکر کا خیال تھا کہ عروج اتنی بڑی فوج میں خود کو گھرا پا کر یا تو راہ فرار اختیار کرے گا یا ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کرے گا مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ عروج پندرہ سو سپاہیوں کے ساتھ ان کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ ان لوگوں کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں تھے۔ کیونکہ وہ صرف شکار اور تفریح کے لیے نکلے تھے۔ چنانچہ عروج کی فوج نے چھریوں اور چاقوؤں کے ساتھ عیسائی فوج کا مقابلہ کیا اور کسی ایک سپاہی نے بھی پیٹھ نہیں دکھائی اور وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ ان شہیدوں میں وہ دلیر اور بہادر امیر البحر بھی تھا جس کے نام سے جنوبی یورپ کے بڑے بڑے عیسائی جہاز ران کانپتے تھے۔ عروج کی لاش اپنے رعب دار چہرے کی وجہ سے تمام شہیدوں میں ممتاز تھی۔ اس کے ہاتھ میں وہ تلوار تھی جس کی چمک سے عیسائی سورما لرز جاتے تھے اور جس نے اسپین کے مسلمانوں کو بچایا تھا۔

امیر البحر عروج نہایت رحم دل اور نیک شخص تھا۔ اس نے سپین کے ستائے ہوئے جلاوطن مسلمانوں کو لاکھوں کی تعداد میں نکالا اور ان کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اسلام کا یہ جانباز سپاہی پینتالیس سال کی عمر میں شہید ہوا اور دنیا کو بحری تاریخ میں اپنی شجاعت کے وہ کارنامے چھوڑ گیا، جو رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات پر چمکتے رہیں گے۔

چاند میری زمیں پھول میرا وطن

چاند میری زمیں پھول میرا وطن
میرے کھیتوں کی مٹی میں لعل یمن

میرے ملاح لہروں کے پالے ہوئے
میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے
میرے مزدور اس دور کے کوہکن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

میرے فوجی جواں جرأتوں کے نشاں
میرے اہل قلم عظمتوں کی زباں
میرے محنت کشوں کے سنہرے بدن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

میری سرحد پہ پہرا ہے ایمان کا
میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا
میرا اک اک سپاہی ہے خیبر شکن
چاند مِیری زمیں پھول میرا وطن

میرے دہقاں یونہی ہل چلاتے رہیں
میری مٹی کو سونا بناتے رہیں
گیت گاتے رہیں میرے شعلہ بدن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

ساقی جاوید

نجّاشی کے دربار میں

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے جب مکّے کے کافروں کو اسلام کی طرف بلایا تو نیک دل لوگ اسلام لانے لگے۔ مکّے کے کافروں نے جب دیکھا کہ یہ نیا دین پھیلتا جا رہا ہے تو انھوں نے مسلمانوں کو سخت تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیں اور اتنے ظلم کیے کہ مسلمانوں کو اپنے وطن مکّے میں رہنا مشکل ہو گیا۔ حضورؐ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ ہجرت کرنے والوں میں چار عورتیں اور بارہ مرد شامل تھے۔ یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

آج کل حبشہ کا نام ایتھوپیا ہے اور یہ ملک افریقہ میں واقع ہے۔ اس وقت حبشہ میں نجّاشی بادشاہ تھا۔ مکّے کے کافروں نے سوچا کہ اگر مسلمانوں کے اثر سے نجّاشی مسلمان ہو گیا تو اس سے مسلمانوں کی قوت بڑھ جائے گی۔ انھوں نے نجّاشی کے پاس ایک وفد بھیجا جس کے ساتھ بہت سے قیمتی تحفے بادشاہ، امیروں اور وزیروں کے لیے بھیجے گئے تاکہ وہ خوش ہو کر کافروں کی بات مان لے۔ کافروں نے نجّاشی کے سامنے پیش ہو کر کہا کہ یہ لوگ جنھیں آپ نے پناہ دی ہے، بے دین ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے اور ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ ہماری قوم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انھیں ہمارے حوالے کر دیں۔ نجّاشی کے درباریوں کو بڑے بڑے تحفے مل چکے تھے۔ انھوں نے بھی ان کا ساتھ دیا، مگر نجّاشی نے یہ سب کچھ سن کر کہا، "وہ لوگ میرے ملک میں آئے ہیں اور میرے مہمان ہیں۔ میں اس طرح انھیں تمھارے سپرد نہیں کروں گا۔ پہلے ان سے معلوم تو کر لوں کہ آخر ان کا دین کیا ہے۔"

نجّاشی نے دوسرے روز مسلمانوں کو دربار میں بلایا۔ حضورؐ کے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ

نے دربار کے دروازے پر پہنچ کر بلند آواز سے فرمایا: "اللہ کا فرمانبردار گروہ آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہتا ہے"۔ نجاشی نے جواب میں کہا: "ہاں! آپ اور آپ کی جماعت اللہ کی حفاظت اور امان میں اندر آجائے"۔ مکے کے کافروں کو اس سوال وجواب سے بہت مایوسی ہوئی۔ مسلمانوں نے اندر جاکر عام دستور کے مطابق بادشاہ کے سامنے سجدہ نہ کیا اور سلام کرنے کو کافی سمجھا۔ کافروں نے بادشاہ کو بھڑکانے کے لیے کہا: "آپ نے دیکھا یہ لوگ کتنے مغرور ہیں کہ آپ کے سامنے ادب سے سجدہ بھی نہیں کرتے"۔ نجاشی کے پوچھنے پر حضرت جعفرؓ نے جواب دیا "ہم تو بس اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، جس نے آپ کو ہمیں اور ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور آپ کو اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے"۔ پھر حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا: "اے بادشاہ! ان سے پوچھیے کیا ہم غلام ہیں جو اپنے مالک سے بھاگ کر آئے ہیں؟ کیا ہم نے کوئی خون کیا ہے، جس کا ہم سے بدلہ لینا ہے یا ہم ان کا مال لے کر بھاگ آئے ہیں؟ نجاشی نے کافروں سے ان باتوں کا جواب مانگا تو انھوں نے کہا: "یہ آزاد اور شریف لوگ ہیں۔ نہ انھوں نے کوئی خون کیا ہے، نہ ان کے ذمہ ہمارا قرض ہے"۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں سے کہا: "تم نہ اپنے باپ دادا کے دین پر ہو، نہ یہودی ہو اور نہ عیسائی تو تمھارا دین کیا ہے؟" حضرت جعفرؓ نے جواب دیا! "اے بادشاہ! جس دین پر ہم پہلے تھے وہ شیطان کا دین ہے اور جس نئے دین کو ہم نے قبول کیا ہے، وہ اللہ کا دین "اسلام" ہے۔ نجاشی نئے دین اسلام کا نام سن کر حیران ہوا اور کہا: "مجھے اس دین کے متعلق بتاؤ کہ اس دین کی تعلیم کیا ہے اور تم نے اسے کیوں اختیار کیا ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے جواب دیا "اے بادشاہ! پہلے ہم بتوں کو پوجتے تھے، جوا کھیلتے تھے، مردار کھاتے تھے، اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے شراب پیتے تھے اور بھی بہت سی برائیاں کرتے تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم کیا اور ہم میں ایک نبی بھیجا جو ہماری قوم سے ہے۔ اس کی سچائی اور دیانت داری کو سب مانتے ہیں۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ہم اور ہمارے باپ دادا جس راستے پر چلتے رہے ہیں وہ

غلط ہے۔ عبادت کے لائق وہ ایک خدا ہے، جس نے ہمیں اور ساری دنیا کو پیدا کیا۔ ہم اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اس نے ہمیں حرام کھانے جوا کھیلنے، ناحق خون بہانے اور سب برے کاموں سے منع کیا۔

اے بادشاہ! ہم نے اس کی باتیں سنیں اور اس کی باتوں کو پرکھا۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے، اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ اب ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، اپنے باپ دادا کی طرح درختوں اور پتھروں کی پوجا نہیں کرتے، شراب نہیں پیتے، جوا نہیں کھیلتے، کسی پر ظلم نہیں کرتے، اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن نہیں کرتے۔ جن کاموں کو اس نے برا بتایا ہم نے وہ کام چھوڑ دیے، جن کاموں کو اچھا بتایا وہ کام ہم کرنے لگے۔ بس اے بادشاہ! اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، ہمارا کھانا پینا بند کر دیا، ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں تاکہ ہم پھر ان کے دین کی طرف واپس آجائیں اور پہلے کی طرح برائیاں کرنے لگیں اے انصاف کرنے والے بادشاہ! ان کے ظلموں سے تنگ آکر ہم آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں۔"

مکے کے کافروں نے دیکھا کہ نجاشی پر مسلمانوں کا بہت اچھا اثر ہوا ہے تو اسے غصہ دلانے کے لیے کہا "یہ لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ کے متعلق عجیب عقیدہ رکھتے ہیں" نجاشی نے کہا کہ آپ لوگ ان کے حق میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جب وہ بی بی مریم اور حضرت عیسیٰ کے واقعات اور حالات پر پہنچے تو نجاشی نے سن کر کہا: "حضرت عیسیٰ کا اصلی اور حقیقی رتبہ یہی ہے جو خدا نے اس کتاب میں بتایا ہے۔" عیسائی عالموں اور پادریوں نے بھی کہا: "خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت ہمیں حضرت عیسیٰؑ دے چکے ہیں اور فرما چکے ہیں جو اس آخری نبی پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا بلاشبہ اس نے میرا انکار کیا۔" پھر نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے کہا: "تم میرے ملک میں آزاد ہو، جہاں دل چاہے آزادی

اور امن سے چلو پھرو۔ جس کسی نے تمہاری بے عزتی کی یا تمہیں تکلیف پہنچائی تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔" پھر مکے کے کافروں سے کہا: "تم اپنے تحفے واپس لے جاؤ" یہ رشوت ہے، میں اسے قبول نہیں کر سکتا اور فوراً میرے ملک سے نکل جاؤ۔ میں ایسے برے اور ظالم لوگوں کو اپنے ملک میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

پھر نجاشی اور اس کے کچھ درباریوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام کی بدولت نجاشی کو دین اور دنیا کے بے شمار فائدے حاصل ہوئے۔ اس کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ جب ۹ھ میں اس کی وفات ہوئی تو اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

مشق

۱۔ نجاشی کون تھا اور اس نے اسلام کیسے قبول کیا؟

2۔ ہجرت کے معنی کیا ہیں۔ مسلمانوں نے پہلی ہجرت کب کی تھی؟

3۔ ان الفاظ کے معنی بتائیے۔

بے دین۔ مخلوق۔ مغرور۔ غائبانہ نماز۔ فرماں بردار۔ بشارت۔

۴۔ واحد کے جمع بنائیے۔

مسلمان۔ تحفہ۔ بات۔ برائی۔ راستہ۔ واقعہ۔

5۔ حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر میں کیا کیا باتیں بیان کیں؟

6۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسلام نے کیا بتایا ہے؟ استاد صاحب کی مدد سے لکھیے۔

چالیس بھائیوں کا پہاڑ

انجم نے اپنے اسکول کا کام جلد ہی ختم کر لیا تھا اور خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کا بڑا بھائی بھی قریب ہی کرسی پر بیٹھا تھا کہ انجم کو جیسے کچھ یاد آگیا، وہ ایک دم بولا۔

"صفدر بھائی جان! کئی روز ہوئے آپ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا۔ آج تو آپ کو فرصت ہے۔ اپنا وعدہ پورا کیجیے۔"

"کیسا وعدہ؟ انجم میاں مجھے تو کچھ یاد نہیں۔"

"بھائی جان! چلتن پہاڑ کی کہانی سنانے کا وعدہ، آگیا نا یاد؟"

"اچھا وہ، یاد تو آگیا۔ کیا آج ہی سنو گے۔ اسکول کا کام بھی کر لیا یا نہیں؟"

"جی بھائی جان! اسکول کا کام تو میں نے پورا کر لیا ہے۔ اب بالکل فارغ ہوں، بس آج تو سنا ہی دیجیے۔"

"تو سنو انجم میاں! یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ "چلتن پہاڑ" کوئٹہ اور مستونگ کے درمیان ہے اور بلوچستان کا مشہور پہاڑ ہے۔"

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں اس پہاڑ کے دامن میں ایک بہت نیک کسان رہتا تھا جس کا نام تو ادریس تھا مگر سب لوگ اسے دروس کہتے تھے۔ اس کے پاس بہت اچھی زمین تھی، جس میں وہ کھیتی باڑی کرتا تھا۔ بھیڑ بکریاں اور اونٹ بھی تھے۔ اس کی بیوی بھی بہت نیک، شریف اور فرماں بردار تھی۔ دونوں میاں بیوی بہت سخی تھے اور ہمدرد بھی۔ کسی کو بھی اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔ اللہ نے انھیں ہر طرح کا چین آرام دے رکھا تھا، مگر انھیں ایک غم بھی تھا کہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی جس کی پیاری اور معصوم باتوں سے وہ اپنا دل بہلاتے۔

اتفاقاً ایک دن ادریس کے خیمے پر ایک فقیر آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی

تھا۔ دونوں بہت بھوکے اور تھکے ہوئے تھے۔ فقیر نے ادریس کے خیمے پر پہنچ کر کہا: "اللہ کے نام پر میری مدد کرو، میں بھوک سے نڈھال ہوں۔" ادریس نے اندر سے جواب دیا: "بابا! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے ہمیشہ غریبوں، فقیروں کی مدد کی ہے مگر میں اولاد سے محروم رہا۔ جاؤ! اب تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔" اس فقیر نے کہا: "اللہ تمہاری مراد پوری کرے، سخی پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ ادریس کی بیوی کو اپنے خاوند کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے خاوند کو بہت ملامت کی اور کہا: "تمہیں جو کچھ کہنا ہے، اللہ سے کہو اللہ کے فضل سے نا امید نہیں ہونا چاہیے اور سخی تو مانگنے والے کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ اب فوراً جا کر اُسے واپس لاؤ اور اپنا مہمان بناؤ۔" بیوی کی بات سن کر وہ شرمندہ ہوا اور اس فقیر کے پاس جا کر اس سے معافی مانگی۔ ~~دونوں~~ باپ بیٹے کو اپنے خیمے میں لے آیا اور بہت خاطر تواضع کی۔ جب باپ بیٹا دونوں پیٹ بھر کر کھانا کھا چکے تو جانے کی اجازت مانگی۔ بیٹا یہ جانتا تھا کہ اس کا بزرگ باپ اگر ان کے لیے اللہ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اولاد دے گا۔ اس نے زمین سے کچھ سنگ ریزے اٹھا کر اپنے بزرگ باپ کو دیے اور کہا: "یہ اولاد سے محروم ہیں۔ آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ انہیں اولاد عطا فرمائے۔" اس بزرگ فقیر نے وہ سنگ ریزے ہاتھ میں لے کر دعا کی۔ "یا اللہ جتنے یہ سنگ ریزے ہیں، انہیں اتنی ہی اولاد عطا فرما!" یہ دعا کر کے وہ سنگ ریزے ادریس کی بیوی کو دے دیے۔ ان کے جانے کے بعد انہوں نے جب وہ سنگ ریزے شمار کیے تو وہ چالیس تھے۔ دونوں میاں بیوی خوش ہو گئے اور اُن کے دل میں یہ یقین پیدا ہو گیا کہ اس بزرگ کی دعا کے طفیل اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اولاد دے گا۔

اور ہوا بھی یہی کہ اللہ نے انہیں چالیس بیٹے عطا فرمائے۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ہنسی خوشی اپنے بچوں کے ساتھ رہنے لگے۔ جب بچے ذرا بڑے ہوئے تو اُن کے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا خرچ بھی بڑھا اور تنگی ترشی سے گذر ہونے لگی۔ اب تو ادریس پریشان رہنے لگا۔ ایک دن اسے خیال ہوا کہ میں اس قابل نہیں کہ اتنے بیٹے پال سکوں۔ بہتر یہ ہے

کہ ایک بچے کو اپنے پاس رکھ کر اتنا لیس کو کسی ویرانے میں چھوڑ آؤں۔ اس نے اپنی بیوی سے یہ بات کہی تو اس کی نیک فطرت بیوی نے اس کی بہت مخالفت کی اور اسے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ سب کو رزق دیتا ہے وہی دے گا، تو ایسا نہ کر۔ مگر وہ نہیں مانا اور ایک بیٹے کو گھر میں چھوڑ کر اتنا لیس کو رات کے وقت اپنے ساتھ اس پہاڑ پر لایا اور چھوڑ کر چلا آیا کہ انہیں بھیڑیے کھالیں یا وہ بھوک پیاس سے مرجائیں۔ مگر "جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے"۔ قدرت نے ان کی حفاظت کی اور وہ کھیلتے کودتے ایک محفوظ جگہ پر پہنچ گئے۔ اُدھر ادریس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بیٹے مر کھپ چکے ہوں گے۔

اتفاقاً ایک روز کوئی چرواہا ایک ہرن کا پیچھا کرتا ہوا اس پہاڑ پر پہنچ گیا۔ اُسے ایک غار میں سے بچوں کے چیخنے چلانے کی آواز آئی۔ وہ بہت حیران ہوا۔ اس نے اس غار میں جھانک کر دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں بہت سے بچے کھیل رہے ہیں اور ان کے چاروں طرف گل لالہ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر ڈر گیا۔ الٹے پاؤں وہاں سے بھاگا اور جا کر اپنے مالک کو ساری بات بتائی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ ادریس نے بھی یہ بات سنی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو، اس پہاڑ پر یہ بچے اسی کے ہیں۔ جنہیں اللہ کے فضل سے ناامید ہو کر وہ وہاں چھوڑ آیا تھا۔ وہ شرمندہ اور پشیمان پہاڑ پر پہنچا۔ وہاں اس نے بھی یہی منظر دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں اور چاروں طرف گل لالہ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ غار میں پہنچا۔ بچوں نے جب ایک اجنبی کو دیکھا تو وہ ڈر کر غار کے اندھیرے حصے میں چلے گئے۔ ادریس بہت دیر تک ان کے واپس آنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ نہ آئے تو مایوس ہو کر واپس آگیا اور گھر پہنچ کر سارا قصہ اپنی بیوی کو سنایا۔ اسے اپنے بچوں کے ملنے کی بہت خوشی ہوئی۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور سوچنے لگی کہ انھیں کس طرح گھر واپس لائے۔ آخر سوچتے سوچتے دوسرے دن وہ اپنے قبیلے کے ایک بزرگ کے پاس پہنچی اور اس سے مشورہ لیا۔ اس نے کہا کہ ان کا جو بھائی تمہارے پاس رہتا ہے اُسے اپنے ساتھ وہاں لے جاؤ۔ وہ سب اپنے بھائی کے ساتھ گھر آجائیں گے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اپنے اس لڑکے کو ساتھ لے کر غار میں پہنچے۔ ماں نے بیٹے کو کچھ سمجھایا اور ایک طرف چھپ کر بیٹھ گئی۔ وہ لڑکا غار میں اپنے بھائیوں کے پاس چلا گیا۔ وہ اپنے ہی جیسے ایک لڑکے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مل کر کھیلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ ان سب کو ساتھ لے کر غار سے نکل آیا اور ماں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے انتالیس بھائی بھی ماں کے پاس آگئے۔ اس نے انھیں پیار کیا اور میٹھے میٹھے پھل کھلائے۔ پھر بہلا کر گھر لے آئی۔

ادریس اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور بہت خوشیاں منائیں۔ پھر اپنے رواج کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت شروع کی۔ وہ چالیس بھائی بہت نیک تھے اور سب کے کام آتے تھے۔ جب وہ جوان ہو گئے تو کھیتی باڑی کے کام میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے لگے ایک دن شام کو وہ سب اپنے گھر واپس آئے اور کھا پی کر لیٹ گئے۔ صبح کو جب وہ نماز کے لیے نہ اٹھے تو اُن کی ماں نے قریب جا کر انھیں جگانے کی کوشش کی۔ مگر وہ تو ہمیشہ کی نیند سو چکے تھے اب کس طرح جاگ سکتے تھے۔ ماں باپ نے چالیس جوان بیٹوں کی اچانک موت پر رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ آس پاس کے سب لوگ جمع ہو گئے، انھیں تسلی تشفی دی اور ان چالیس بھائیوں کو اسی غار میں دفن کر دیا جہاں سے ان کی ماں انھیں لائی تھی اور جہاں وہ گل لالہ سے کھیلتے تھے۔ پھر ان کی چالیس قبریں اس غار میں بنا دی گئیں۔

اس پہاڑ کا نام اسی وجہ سے "کوہِ چہل تن" چالیس آدمیوں کا پہاڑ مشہور ہوا جو بگڑ کر کوہِ چلتن بن گیا۔"

"بھائی جان! کہانی تو بہت اچھی ہے۔ کیا واقعی ایسا ہوا تھا؟" انجم بولا۔

بھئی جو میں نے سُنا تھا، تمھیں بتا دیا۔ ایسے ہی ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا، یہ اللہ کو معلوم ہے۔ اچھا انجم میاں! رات کافی گذر گئی ہے، اب سو جاؤ۔ صبح کو سویرے اٹھنا بھی ہے۔ صبح کی نماز قضا ہو گئی تو ابا جان ناراض ہوں گے۔"

خدمت اور ایثار

"اگر تمہارے پاس پیسے نہیں تھے تو پانی لینے کیوں آئے تھے، جاؤ پیسے لے کر آؤ، پھر پانی ملے گا۔" کنویں کے مالک یہودی نے کہا۔

"کل سے میرے بچوں نے پانی نہیں پیا۔ وہ پیاس کے مارے بلک رہے ہیں، آج اُدھار پانی دے دو، میں پیسے ادا کر دوں گا۔" غریب مسلمان بولا۔

یہودی نے کہا: "تمہارے بچے بلک رہے ہیں تو میں کیا کروں۔ بھلا پانی بھی کہیں اُدھار ملتا ہے۔ جاؤ، اپنے خدا سے پانی مانگو۔"

وہ غریب مہاجر مسلمان اپنے چھوٹے پیاسے بچوں کی وجہ سے سنگدل یہودی کی منت سماجت کرتا رہا، مگر اس ظالم کا دل نہ پسیجا اور وہ غریب سر جھکائے واپس آگیا۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضورِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مکے کے مسلمان ہجرت کر کے مدینے میں آ بسے تھے۔ مدینے میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جس کا مالک ایک یہودی تھا۔ وہ اس کنویں کا پانی فروخت کیا کرتا تھا۔ مسلمان زیادہ تر غریب تھے اور پیسہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے پانی نہیں خرید سکتے تھے اور کئی کئی دن پیاسے رہتے تھے۔ حضور نبی کریمؐ مسلمانوں اور دوسرے غریب مدینے والوں کی اس تکلیف کو دیکھتے تو آپؐ کو رنج ہوتا۔ ایک دن حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بئرِ رومہ (کنویں کا نام) خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے گا، وہ جنتی ہو گا۔

حضورؐ کے ہر صحابی کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ یہ کنواں خرید کر اللہ اور اُس کے رسولؐ کو خوش کرے، لیکن پیسہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی آرزو پوری نہیں کر سکے۔ ایک صحابی خاموشی سے اُٹھ کر اس یہودی کے پاس پہنچے اور آدھا کنواں

خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور ایک ایک دن کی باری مقرر ہو گئی جس دن پانی بھرنے کی مسلمانوں کی باری ہوتی تو مدینے کے غریب یہودی بھی اس دن مفت پانی بھر لیتے اور اُس یہودی سے کوئی بھی پانی نہ خریدتا۔ یہ دیکھ کر اس نے باقی آدھا حصہ بھی فروخت کر دیا۔ یہ بھی حضورؐ کے اُسی صحابی نے خرید کر اللہ کے لیے وقف کر دیا اور مدینے کے مسلمان اور غیر مسلم آرام سے پانی لینے لگے۔

حضورؐ کے یہ صحابی حضرت عثمان غنیؓ تھے جو مکے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی یہ بہت نیک تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خاص دوست تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پیارے دوست سے کہا: "عثمان! تم سمجھدار بھی ہو، پڑھے لکھے بھی ہو، جھوٹ اور سچ میں تمیز بھی کر سکتے ہو۔ حیرت ہے کہ تم پھر بھی ان بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ بتاؤ تو سہی، کیا یہ بت اندھے، گونگے اور بہرے پتھر نہیں جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان؟"

عثمان بولے: "تم کہتے تو ٹھیک ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں خود بھی بت پرستی کو بُرا سمجھتا ہوں مگر کروں تو کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم ہی کچھ صلاح دو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: "دیکھو عثمان! اللہ نے میرے پیارے دوست محمدؐ بن عبداللہ کو نبوت عطا فرمائی ہے اور تمام دنیا کی ہدایت پر مقرر فرمایا ہے۔ تم بھی انہیں خوب جانتے ہو۔ وہ کتنے نیک، سچے اور ایماندار ہیں کہ سب مکے والے انہیں "صادق اور امین" کہتے ہیں۔ میں نے تو ان کی باتوں کو سچ سمجھ کر ان کا دین "اسلام" قبول کر لیا ہے۔ آؤ تمہیں بھی اُن کے پاس لے چلوں، تم خود ہی اُن سے وہ پیغام سن لینا۔ چلتے ہو؟"

عثمان بولے: "چلو، ابھی چلتے ہیں۔" دونوں دوستوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتفاقاً اُدھر سے حضور نبی کریمؐ کا گذر ہوا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس عثمان کو بیٹھا دیکھ کر فرمایا:

"اے عثمان! میں دنیا کے تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم بھی اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ اور اسلام قبول کر لو، فلاح پاؤ گے۔" حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ سنتے ہی حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ مکے کے دولت مند لوگوں میں آپ پہلے شخص تھے جو ایمان لائے۔ دولت مند بہت نازک مزاج ہوتے ہیں اور معمولی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ کے چچا حکم نے اسلام قبول کرنے پر آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ انھیں چٹائی میں باندھ کر دھونی دی، کئی کئی دن بھوکا پیاسا رکھا، پھر قید کر دیا اور کہا: "تم نے یہ نیا دین قبول کر کے اپنے باپ دادا کو ذلیل کیا ہے، جب تک تم اس نئے دین سے توبہ نہیں کرو گے، میں تمھیں آزاد نہیں کروں گا۔" حضرت عثمان غنیؓ نے کہا: "چچا! اگر دین اسلام کے لیے میری جان بھی چلی جائے، خدا کی قسم! میں پھر بھی اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔"

حضور نبی کریمؐ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کچھ تو اس لیے کہ حضورؐ کی دو بیٹیاں آپ سے بیاہی گئی تھیں۔ پہلے حضرت رقیہؓ آپ کے نکاح میں آئیں۔ اُن کے انتقال کے بعد حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ سے آپ کا نکاح ہوا۔ اسی لیے آپ کو "ذوالنورین" (دو نوروں والا) کہا جاتا ہے اور کچھ اس لیے کہ آپ بہت رحم دل، نیک، غریبوں کے ہمدرد اور سخی تھے۔ انھیں ان کی دولت اور سخاوت کی وجہ سے "غنی" بھی کہا جاتا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے حضورؐ کی اجازت سے اللہ کے لیے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینے تشریف لے گئے اور اپنی تمام جائیداد مکے میں چھوڑ دی۔ مدینے پہنچ کر آپ نے تجارت شروع کر دی۔ اللہ نے انھیں تجارت میں بہت برکت دی۔ تجارت سے آپ کو جو کچھ فائدہ ہوتا تھا، اس کا زیادہ حصہ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی میں خرچ کرتے تھے۔ اُن کی ساری دولت اسلام کے لیے تھی، جب بھی ضرورت پیش آئی، آپ ہر چیز لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضورؐ نے عرب کے تمام مسلمان قبیلوں میں اعلان فرمایا

کہ وہ اس جہاد میں شریک ہوں تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا، کہ جو کوئی اس نادار لشکر کی امداد میں حصہ لے گا اس کے لیے جنت ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی مسلمانوں نے زیادہ سے زیادہ امداد کی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تہائی لشکر کا تمام خرچ اپنے ذمّے لے لیا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار گھوڑے اور اونٹ اور نوسو پچاس اشرفیاں حضورؐ کی خدمت مبارک میں پیش کیں آنحضرتؐ خوشی سے ان اشرفیوں کو دستِ مبارک سے بار بار اچھالتے اور فرماتے تھے:

"آج کے بعد عثمان کا کوئی کام انھیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

حضور نبی کریمؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا زمانہ تھا کہ مدینے کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے اور بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو صبر کرنے کی نصیحت کی اور فرمایا۔ "گھبراؤ نہیں یہ دور جلد ختم ہو جائے گا۔" دوسرے ہی دن حضرت عثمان غنیؓ کے غلّے اور گندم کے ایک ہزار اونٹ ملک شام سے پہنچ گئے۔ مدینے کے بڑے بڑے سوداگر غلّہ خریدنے کے لیے آپ کے پاس آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: "کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے کہا: "سنا ہے، کہ آپ کے پاس غلّے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ آئے ہیں۔ غلّہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دیجیے، ہم کھلے بازار میں فروخت کریں گے۔"

آپ نے فرمایا: "تم مجھے اس پر کیا نفع دو گے؟" عرض کیا۔ "دس روپے کے مال پر دو روپے نفع لے لیجیے۔" آپ نے فرمایا: "مجھے اس سے زیادہ نفع مل رہا ہے۔" انھوں نے کہا "چار روپیہ نفع لگا لیجیے۔" فرمایا: "نہیں، یہ بھی کم ہے اور زیادہ کرو۔" عرض کیا۔ "دس روپے کے مال کے پندرہ روپے لے لیجیے۔" اور اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے وہ دگنا نفع دینے پر تیار ہو گئے آپ نے فرمایا: "مجھے تو دس گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ نفع مل رہا ہے۔ مدینے کے تاجر حیران ہو کر کہنے لگے۔ "شہر کے بڑے بڑے تاجر تو ہم یہاں موجود ہیں، آپ کو اتنا زیادہ نفع کون دے رہا ہے۔"؟ آپ نے فرمایا: "میں اللہ!" اور یہ کہتے ہی مدینے کے غریبوں میں تمام غلّہ تقسیم کر دیا۔ پھر جب تک قحط ختم نہیں ہوا اس وقت تک مدینے کے

سارے مفلس اور غریب لوگوں کو غلّہ خرید کر مفت دیتے رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ اُن دس بزرگ صحابہؓ میں سے تھے جن کو جنّتی ہونے کی خوش خبری آنحضرتؐ نے دی ہے۔ آپ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ نہایت سادگی پسند تھے اور اتنا مالدار ہونے کے باوجود عام مسلمانوں میں اس طرح ملے جلے رہتے کہ کوئی فرق ہی نظر نہیں آتا تھا۔ بہت مہمان نواز تھے۔ مہمان کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے مگر خود بہت سادہ غذا پسند فرماتے تھے۔ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے ہزاروں غلام آزاد کیے۔ رضی اللہ عنہ

مشق

1۔ حضرت عثمان غنیؓ کے ایمان لانے کا واقعہ لکھیے۔

2۔ حضرت عثمان غنیؓ کے ایثار کے دو واقعے بیان کیجیے۔

3۔ واحد کے جمع لکھیے۔

صحابی۔ منت۔ تکلیف۔ باری۔ نقصان۔ پیغام۔ زبان۔ بیٹی۔ جائیداد۔ برکت۔

4۔ اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش) لگائیے۔

ذوالنورین۔ صحابہ۔ تبوک۔ مروت۔ رضی اللہ عنہ۔

5۔ ان لفظوں سے جملے بنائیے۔

اُدھار۔ منت سماجت۔ ارشاد۔ آرزو۔ فلاح۔

6۔ آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لیے کس طرح ایثار کرسکتے ہیں؟

ہمدردی

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کے بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

اقبال

مشق

۱- اس نظم کو اپنی کاپی میں خوش خط لکھیے۔ اور یاد کر کے سنائیے۔

۲- لغت میں دیکھ کر معنی لکھیے۔

الفاظ	معنی
شجر	
آشیاں	
آہ و زاری	
مشعل	
اداس	

3- ایسے پانچ الفاظ لکھیے جن کے درمیان "و" آتی ہو — جیسے "آہ و زاری"

۴- جگنو نے بلبل سے کیا ہمدردی کی؟

ہمدردی کا صِلہ

کریم اور حمیدہ بھائی بہن تھے۔ ابھی یہ دونوں چھوٹے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی ماں بہت نیک اور دین دار تھی۔ تھوڑی سی زمین تھی، کچھ محنت مزدوری کر لیتی تھی، جس سے وہ اپنے بچّوں کا کھانا کپڑا چلاتی اور عزّت سے اپنا وقت گزار رہی تھی۔ اپنے دونوں بچّوں کو وہ باتوں باتوں میں اچھی باتیں بتایا کرتی، اپنے ساتھ وضو کراتی، نماز پڑھاتی صاف ستھرا رہنے کی تاکید کرتی اور ہمیشہ یہ تعلیم دیتی کہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور بہتر سلوک کرنا چاہیے۔ کسی کو بُرا کہنا، چُغلی کھانا اور لڑائی بھڑائی کرنا بہت بُرا کام ہے۔ جب رات ہو جاتی تو وہ اپنے بچّوں کو اپنے ساتھ بٹھا لیتی اور کوئی ایسی کہانی یا سچّا واقعہ سناتی، جس سے اُس کے بچّوں میں نیکی کا جذبہ پیدا ہو۔ ایک دن اُس نے اپنے بچّوں سے کہا کہ رات کو مجھے یاد دلانا، مَیں تمھیں بہت اچھا قِصّہ سناؤں گی۔ دونوں بہن بھائی رات ہونے کا بہت بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ اللہ اللہ کر کے رات ہوئی۔ کھانا کھا کر سب نے عشاء کی نماز پڑھی۔ بچّوں نے اپنی ماں کو یاد دلایا کہ آپ نے ہم سے بہت اچھا قِصّہ سنانے کا وعدہ کیا تھا، اب سُنائیے:

ماں نے کہا " لاہور میں ایک بہت بڑے بزرگ کا مزار ہے جنھیں حضرت داتا گنج بخشؒ کہتے ہیں۔ ہر سال اُن کا عُرس ہوتا ہے اور لاکھوں آدمی عُرس میں آتے ہیں۔ مزار پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دُعائیں مانگتے ہیں۔ لاہور کے قریب ایک گاؤں میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ اُس کے دو بچّے تھے، ایک لڑکا، ایک لڑکی"۔ حمیدہ بولی: "امّاں ہم بھی تو دو ہی ہیں، وہ بھی ہماری ہی طرح ہوں گے"۔ ماں نے کہا: "خاموشی سے قِصّہ سنو، بس ہنکارے بھرتے رہو"۔ وہ دونوں بچّے بہت نیک تھے اور ماں باپ کے فرماں بردار تھے۔ ایک دن باپ سے کہنے لگے۔ ابّا! آپ ہر سال ہمیں ٹال دیتے ہیں اور داتا صاحبؒ کا عُرس نہیں دکھاتے، کل سے عُرس ہو رہا ہے، اس دفعہ ہمیں ضرور

دکھائیے۔ باپ نے وعدہ کر لیا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ اُس دن ایسا مصروف ہو گیا کہ بچّوں کو عُرس دکھانے اپنے ساتھ نہ لے جا سکا اور اُنھیں اجازت دے دی کہ تم خود جا کر دیکھ آؤ، مگر وہاں بِھیڑ بہت ہوتی ہے دونوں بہن بھائی اکٹھے رہنا۔ بچّوں کو اجازت ملی تو وہ خوشی سے پھُولے نہ سمائے۔ جب وہ جانے کو تیار ہو گئے تو باپ نے کھانے پینے کے لیے دونوں کو دس دس روپے بھی دے دیے۔

دونوں بہن بھائی بات چیت کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ اُنھیں کسی کے رونے کی آواز آئی۔ دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو سامنے درخت کے نیچے ایک عورت نظر آئی جو پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اُس کی گود میں ایک ننھّی سی لڑکی تھی اور وہ عورت پھُوٹ پھُوٹ کر رو رہی تھی۔ حمیدہ اور رحیم لپک کر اُس کے پاس پہنچے۔ حمیدہ نے اُس سے پُوچھا "مائی کیوں رو رہی ہو؟"

عورت نے جواب دیا۔ "بیٹی کیا بتاؤں دو مہینے ہُوئے میرا شوہر مر گیا۔ برسات میں جھونپڑی بھی گر گئی۔ محنت مزدوری کہیں ملتی نہیں اور کھانے کے لیے گھر میں ایک دانہ بھی نہیں۔ میں دو دن کے فاقے سے ہُوں، بھیک مانگتے شرم آتی ہے، خود تو صبر کر لیا مگر اپنی بیٹی کا بِلکنا نہ دیکھا گیا۔ میں نے سوچا کہ داتاؒ کے میلے میں چلوں، شاید کسی اللہ کے بندے کو ترس آ جائے اور میری بیٹی کو کچھ کھانے کو مل جائے۔ میں اپنی بیٹی کی اُنگلی پکڑے چلی جا رہی تھی کہ ایک گاڑی بہت تیزی سے آئی اور میری بیٹی کے پاؤں کو کُچلتے ہُوئے گُزر گئی، اب تک خُون بہہ رہا ہے۔ اپنی لاڈلی بیٹی کی بُھوک اور تکلیف مُجھ سے دیکھی نہیں جاتی، کپڑے پھٹ کر تار تار ہو گئے ہیں، تم ہی بتاؤ اگر میں روؤں نہیں تو کیا کرُوں۔ رو کر اللہ کے دربار میں فریاد کر رہی ہُوں، اُس کے سوا غریبوں کا کوئی آسرا نہیں۔"

غریب عورت کا یہ حال سُن کر حمیدہ کو بہت رحم آیا۔ اُس نے اپنے دس روپے اُسے دے دیے اور کہا: "مائی میرے پاس یہی پیسے ہیں۔ اِن سے تو اپنے اور اپنی بیٹی کے لیے کچھ کھانے کو لے لے۔ میں اپنے ابّا سے کہوں گی، وہ تجھے کپڑے بھی لا دیں گے۔" اس معصوم کی مادری عورت نے دعا دی

سی لڑکی کے مُنہ سے ہمدردی کی باتیں سُنیں تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور دُعائیں دینے لگی: "بیٹی! خُدا تیرا دو جہان میں بھلا کرے، تجھے مُنہ مانگی مُرادیں ملیں۔ بیٹی، داتا کے دربار میں جا کر اللہ سے میرے لیے بھی دُعا مانگنا اور جب واپس آؤ تو میرے پاس ہو کر جانا۔ سامنے میری ٹُوٹی پھُوٹی جھونپڑی ہے۔"

راستے میں کریم نے بہن سے کہا۔ تم نے اپنے سارے پیسے تو اُس عورت کو دے دیے اب عُرس میں کیا کھاؤ گی، کیا خرچ کرو گی؟ حمیدہ نے آہستہ سے جواب دیا: "بھائی میں عُرس میں کچھ بھی نہیں خرچ کروں گی، نہ میرا کوئی چیز کھانے کو جی چاہتا ہے۔" دونوں بہن بھائی عُرس میں پُہنچے، داتا صاحبؒ کے مزار پر حاضری دی، کریم نے مٹھائی اور کھلونے خریدے۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی سیر کی اور شام ہوتے گاؤں کی طرف چل پڑے۔

وہ غریب عورت اُسی درخت کے نیچے بیٹھی اُن کی راہ دیکھ رہی تھی۔ حمیدہ اور کریم کو آتے دیکھا تو باغ باغ ہو گئی، اپنی جھونپڑی میں لے گئی اور حمیدہ کو ایک چھوٹی سی ٹوکری دے کر کہا: "بیٹی! میرے پاس اور تو کچھ نہیں، یہ موتیا کے پھُول ہیں، یہ اپنی امّاں کو دے دینا۔ اس عورت سے رُخصت ہو کر دونوں بہن بھائی گھر پہنچے۔ کریم نے اپنے سب کھیل کھلونے ماں باپ کو دِکھائے اور کہا: "دیکھیے! میں دس روپے میں کتنی چیزیں لایا ہُوں۔ حمیدہ بہن بُہت بے وقوف ہے، اِس نے اپنے سارے پیسے ایک غریب عورت کو دے دیے اور کچھ بھی نہیں خریدا۔"

باپ نے پوچھا: "کیوں بیٹی کریم ٹھیک کہتا ہے؟" حمیدہ نے اُس عورت کا قصّہ شروع سے آخر تک کہہ سنایا اور پھُولوں کی ٹوکری اپنے باپ کے سامنے رکھ دی۔ حمیدہ کی بات سُن کر ماں باپ بہت خوش ہوئے اور کریم سے کہا: "بیٹا! حمیدہ نے آج بہت اچھا کام کیا ہے۔ تم کھلونے اور مٹھائی کے لالچ میں پھنس گئے اور اُس دُکھیاری کو ایک پیسہ بھی نہ دیا۔ تم نے بہت بُرا کیا۔ بیٹا! دُوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر ضرور ترس کھانا چاہیے اور جہاں تک ہو سکے اُن سے ہمدردی کرنی چاہیے۔ ایسے کاموں سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے، تمھارے کھلونوں سے یہ پھُول زیادہ قیمتی ہیں

جواُس غریب بے آسرا عورت نے حمیدہ کو دیے ہیں۔ بیٹی! لاؤ یہ ٹوکری مجھے دو، دیکھوں تو پھول کیسے ہیں"۔ حمیدہ نے ٹوکری اُٹھا کر باپ کو دے دی۔ اُس نے ٹوکری کھول کر دیکھی توحیران ہوکر بولا: "ارے! اِس میں تو بہت چمکدار اور خوبصورت موتی ہیں، پھول تو ایک بھی نہیں"۔ ان موتیوں کے اُوپر ایک کاغذ رکھا ہُوا تھا۔ باپ نے وہ کاغذ اُٹھا کر کھولا۔ اُس میں لکھا ہُوا تھا:

"نیک لڑکی! یہ تمھاری ہمدردی کا اِنعام ہے، یہ موتی سچّے ہیں اور تمھارے لیے میرا تحفہ ہیں۔ اچھی لڑکی! غریبوں کے ساتھ ہمیشہ اِسی طرح ہمدردی کرنا، دُوسروں کے دُکھ درد میں کام آنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔"

ماں باپ یہ پڑھ کر حیران ہو گئے اور کریم بھی اپنے کیے پر پچھتانے لگا۔ حمیدہ بہت خوش تھی کہ اُس کے کام سے ماں باپ بھی خوش ہوئے اور اتنا بڑا انعام بھی ملا۔

مشق

۱- ہمدردی کا کوئی اور قصّہ لکھیے جو آپ نے سنایا پڑھا ہو۔

2- اپنی ایک ایسے دن کی مصروفیات کا حال لکھیے جس میں آپ نے دُوسروں کی مدد کی ہو۔

3- اِن الفاظ کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے:

فرماں بردار، آسرا، پچھتانا، ہنکارے بھرنا۔

۴- جُملے بنائیے:

لڑائی بھڑائی۔ مُنہ مانگی مُرادیں۔ عُرس۔ لالچ۔ دُکھ درد۔

5- آپ کے خیال میں وہ عورت کون تھی جس نے حمیدہ کو انعام میں موتی دیے تھے؟

استاد کی عظمت

سکندر سے پوچھا گیا تھا کہ آپ استاد کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں یا باپ کو، تو سکندر نے جواب دیا تھا: "میں استاد کی زیادہ عزت کرتا ہوں، کیونکہ باپ سے مجھے یہ جسم ملا ہے، جو فنا ہو جائے گا اور استاد نے مجھے پڑھا کر وہ زندگی دی ہے، جو باقی رہے گی۔"

دنیا میں جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں، انھوں نے استاد کا رتبہ باپ سے زیادہ سمجھا ہے۔ آج ہم تمھیں دو سچے قصے سناتے ہیں۔ جن سے تمھیں اندازہ ہوگا کہ پہلے زمانے میں بڑے بڑے شہزادے اور بادشاہ استادوں کی کتنی عزت کرتے تھے۔

ہارون الرشید ایک بہت بڑا مسلمان بادشاہ گزرا ہے۔ یہ بادشاہ ہمارے پیارے نبیؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد میں تھا۔ اس کے ایک بیٹے کا نام مامون الرشید تھا۔ شہزادہ مامون خود بہت بڑا عالم تھا اور عالموں کی بہت عزت کرتا تھا۔ باپ نے شروع ہی سے مامون کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھا تھا۔ ابھی اس کی عمر بہت کم تھی کہ بہت سے علوم و فنون میں اسے مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ بچپن میں سب بچوں کی طرح مامون بھی بہت شرارتی تھا۔ وہ جب بھی محل سے باہر آتا، خادموں اور غلاموں کو بہت پریشان کرتا، کسی کی پگڑی اتار پھینکی، کسی کے چٹکی بھر لی، کسی کے تھپڑ مار دیا۔ وہ بے چارے بے بس اور مجبور تھے۔ نہ شرارتوں سے روک سکتے تھے، نہ مارتے پیٹتے اس کا ہاتھ پکڑ سکتے تھے، مگر تھے سب پریشان۔

مامون کو دینی تعلیم دینے کے لیے ایک بہت بڑے عالم بھی مقرر تھے۔
ایک دن غلاموں نے ہمت کر کے کہہ دیا کہ جناب! شہزادے کے ہاتھوں
ہم بہت تنگ آ چکے ہیں اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔
خدا کے لیے کچھ آپ ہی کیجیے۔ استاد کے پوچھنے پر غلاموں نے سارا قصّہ بیان کر
دیا۔ استاد صاحب نے ایک غلام سے کہہ کر مامون کو بلایا۔ مامون استاد کے
کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ استاد نے اپنے قریب بلا کر شہزادے کا ہاتھ پکڑ لیا
اور دوسرے ہاتھ سے تین چار بید شہزادے کے اتنے زور سے لگائے کہ وہ
تڑپ اٹھا اور رونے لگا۔ استاد نے کہا" ابھی سے اتنی شرارتیں کرتے ہو کہ
ہر ایک شخص تم سے نالاں ہے۔ جب اس وقت تمھارا یہ حال ہے تو بادشاہ بن کر
تو تم کسی کو جینے بھی نہیں دو گے۔ تمھیں اپنے خادموں اور غلاموں کو پریشان کرتے
ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔ اسی طرح اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے؟" مامون
مار کھا کر رو رہا تھا، مگر جواب میں ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہ نکل سکا۔
استاد صاحب شہزادے کو روتا چھوڑ کر چلے گئے۔ راستے میں وزیرِ اعظم جعفر
برمکی سے ملاقات ہوئی جو شاہی محل میں جا رہا تھا۔ دونوں کی سلام دعا ہوئی
اور آگے بڑھ گئے۔ شہزادے نے جب وزیرِ اعظم کو آتے دیکھا تو آنسو پونچھ
کر کھڑا ہو گیا۔ وزیرِ اعظم نے شہزادے کی خیریت پوچھی۔ اس نے کہا" الحمد للہ
اچھا ہوں" اور یہ بات بالکل ظاہر نہ ہونے دی کہ ابھی مار کھائی ہے۔
دوسرے دن جب استاد صاحب پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو انھوں نے
مامون سے کہا: "کل جب میں واپس جا رہا تھا تو وزیرِ اعظم شاہی محل میں
جاتے ہوئے ملے تھے، تم نے ان سے تو کچھ نہیں کہا؟" شہزادے نے جواب دیا
توبہ توبہ، جناب! میں نے تو امیر المومنین تک سے کچھ نہیں کہا، وزیر

سے کیسے کہہ دیتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں آپ نے مجھے میری غلطی پر سزا دی تھی۔ میں نے اسی وقت عہد کر لیا تھا کہ پھر کبھی ایسی شرارت نہیں کروں گا۔"

اسی بادشاہ کے بیٹوں کا ایک اور واقعہ بھی مشہور ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک شہزادے کا نام مامون الرشید تھا۔ دوسرے کا نام تھا امین الرشید۔ دونوں شہزادے مسجد میں نماز پڑھنے گئے۔ ان کے بزرگ استاد بھی اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ جب نماز ختم ہو گئی اور ہر شخص اپنے اپنے جوتے اٹھا کر مسجد سے باہر نکلنے لگا تو دونوں شہزادے بھی اپنے بزرگ استاد کے جوتے اٹھانے کے لیے تیزی سے بڑھے۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ اپنے محترم استاد کے جوتے وہ اٹھائے، مگر دونوں اکٹھے ہی جوتوں کے قریب پہنچے اور دونوں نے ایک ایک جوتا اٹھا لیا اور جوتے پہننے کی جگہ لا کر رکھ دیئے۔ ہارون الرشید یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس سب درباری اور مصاحب ادب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مصاحبوں سے پوچھا: "بتاؤ آج دنیا میں سب سے زیادہ مُعزّز اور خوش نصیب کون ہے؟"

انھوں نے عرض کیا: "جناب والا! اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ مُعزّز اور خوش نصیب آپ ہیں۔ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں، بڑے بڑے بادشاہ بھی آپ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اللہ نے جو عزت آپ کو دی ہے، وہ دنیا میں اور کسی کو حاصل نہیں۔"

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا: "نہیں! ایک شخص ایسا بھی ہے جو مجھ سے زیادہ عزت رکھتا ہے۔" درباریوں نے حیران ہو کر پوچھا: "حضور! وہ کون ہے؟" خلیفہ نے جواب دیا: "شہزادے امین اور مامون کا وہ استاد، جس کے جوتے اٹھانا دونوں شہزادے اپنے لیے باعث عزت سمجھتے ہیں۔ میں نے دونوں

شہزادوں کو دیکھا کہ وہ مسجد میں جب اپنے استاد کے جوتے اٹھا رہے تھے، تو خوشی سے ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔"

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے "جس شخص نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا وہ میرا آقا قرار پایا"

استاد کی ذات انتہائی احترام اور عزت کے لائق ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ استاد کا مرتبہ باپ سے بھی زیادہ ہے تو بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر استاد تعلیم نہ دے تو پھر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہ رہے۔ استاد وہ فرض انجام دیتا ہے جو نبی اور پیغمبر انجام دیتے رہے ہیں۔ استاد ہی لوگوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرکے انہیں کامیاب زندگی گزارنے کے طریقے سکھاتا ہے اور اسے حیوان سے انسان بناتا ہے۔ اگر استاد نہ ہوتا تو دنیا میں علم کی روشنی نہ پھیلتی۔ اس لیے استاد کا احترام اور عزت سب پر فرض ہے۔

دنیا میں جن قوموں نے ترقی کی ہے، وہ علم کی بدولت کی ہے اور علم کی ترقی استاد پر موقوف ہے۔ جو قومیں استاد کی عزت کرتی ہیں اور اس کے صحیح مرتبے کو پہچانتی ہیں، وہی قومیں دنیا میں ترقی کرتی ہیں۔ استاد روشنی کا مینار ہے جو لوگوں کو سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچاتا ہے۔ وہ ایک روشن ستارہ ہے، جو بھولے بھٹکے مسافروں کو سیدھے راستے پر پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے استاد کی عزت کی اور اس کی سختی کو باپ کی محبت سے بڑھ کر سمجھا، انہیں دنیا میں بڑے بڑے رتبے حاصل ہوئے اور ان کی آخرت بھی سنور گئی۔ اسی لیے تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے "کہ وہ زمانہ کتنا اچھا تھا، جب استاد کی خدمت کے بدلے دل اور جان تحفے کے طور پر پیش کیے جاتے تھے"۔ علم جیسی دولت دینے والے شخص کی خدمت کا بدلہ دل

حضرت خالدؓ بن ولید

مسلمان اللہ کے سپاہی ہوتے ہیں۔ وہ گھر میں ہوں یا میدانِ جنگ میں، بادشاہ ہوں یا فقیر، ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا سے ظلم مٹا دیا جائے، امن اور انصاف پھیلایا جائے اور اللہ کی حکومت قائم کی جائے۔

اللہ کے سب سے بڑے سپاہی رسولِ خداؐ تھے۔ پھر آپؐ کے وہ سچے شاگرد جنہیں صحابہؓ کہتے ہیں، جنھوں نے اللہ کے لیے جہاد کرکے دنیا سے ظلم اور نا انصافی کو ختم کیا۔ آیئے! ہم آپ کو حضورؐ کے ایک صحابیؓ اور اللہ کے ایک سپاہی کے کارنامے سنائیں۔

حضورؐ کے زمانے میں قریش کا ایک سردار ولید نامی تھا۔ ولید عقلمندی، بہادری اور مال و دولت میں بہت مشہور تھا۔ فوج کا انتظام بھی اسی خاندان کے سپرد تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے جن میں سے چار نے اسلام قبول کیا تھا۔ ولید کے ایک بیٹے کا نام خالد تھا۔ خالد لڑائی کے فن کے ماہر تھے اور مسلمان ہونے سے پہلے تمام جنگوں میں سواروں کی کمان آپ ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔ یہی خالدؓ بن ولید ہیں جو مسلمان ہو کر اللہ کے سپاہی بنے اور ایسے سرفروش سپاہی کہ حضورؐ نے آپ کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب عطا فرمایا۔

سنہ ۸ ہجری میں آپ اپنے دوست حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ مدینہ شریف میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام لانے پر حضورؐ نے فرمایا تھا: "مکے نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھاری طرف پھینک دیے ہیں۔"

فتح مکہ کے دن بھی وہ ایک فوجی دستے کے سردار تھے۔ حنین کی لڑائی میں حضرت خالدؓ اس فوج کے سردار تھے جو سب سے آگے تھی اور سب سے پہلے حملہ کرنے والی تھی۔ اس جنگ میں بہت بہادری دکھائی۔ ان کے جسم پر لڑتے ہوئے کئی زخم آگئے تھے اور رسولؐ

خدا انھیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ان کے علاوہ بھی حضورؐ کی زندگی میں حضرت خالدؓ نے بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہر جنگ میں کامیابی حاصل کی۔

حضورؐ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو عرب کے کچھ قبیلوں نے بغاوت کر دی اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے جو فوجیں بھیجی گئیں، ان کے سردار بھی حضرت خالدؓ ہی تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے انھیں عراق بھیجا۔ عراق اس زمانہ میں ایران کے ماتحت تھا۔ حضرت خالدؓ نے عراق میں تھوڑے سے مسلمانوں سے بڑی بڑی فوجوں کو شکست دی ۔ جب عراق میں اسلامی پرچم لہرایا جا چکا تو حضرت ابوبکرؓ نے انھیں حکم دیا کہ وہ کچھ فوج لے کر شام پہنچ جائیں اور اسلامی لشکر کی مدد کریں۔ شام میں اس وقت عیسائیوں کی حکومت تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہاں بھی فوج بھیجی ہوئی تھی، جو عیسائیوں کی بہت بڑی فوج کا مقابلہ کر رہی تھی۔ امیرالمومنین کا حکم سنتے ہی حضرت خالدؓ چھ ہزار فوج (سپاہی) لے کر شام چلے گئے۔ شام میں بھی آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ دمشق اور دوسرے شہر فتح کرتے ہوئے یرموک پہنچ گئے۔ یرموک کی جنگ میں رومی فوج کی تعداد دو لاکھ تھی اور اللہ کے سپاہی محض پچیس ہزار تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کے سامنے جہاد پر ایک جوشیلی تقریر کی۔ اتفاق سے ایک سپاہی کی زبان سے نکل گیا کہ ہماری تعداد بہت کم ہے اور رومی بہت زیادہ ہیں۔ اللہ کے سپاہی خالدؓ نے جوش میں آکر کہا: "ہار، جیت تعداد کی کمی یا زیادتی پر نہیں، خدا کی مدد پر موقوف ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر میرے گھوڑے کے سُم ٹھیک ہوتے تو میں اس سے دگنی فوج کی بھی پروا نہ کرتا۔" مسلمان بہت بہادری سے لڑ رہے تھے کہ اسی زمانہ میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے حضرت خالدؓ کو فوج کی سرداری سے ہٹا دیا اور حضرت ابوعبیدہؓ کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔

حضرت خالدؓ سپہ سالار سے سپاہی بن گئے۔ مگر اسلام کی خدمت اسی طرح کرتے رہے

مسلمانوں کو اس جنگ میں بھی فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد بیت المقدس فتح ہوا اور شام کے سارے ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت خالدؓ پیدائشی سپاہی تھے۔ ان کی زندگی شروع سے آخر تک ایک سپاہی کی زندگی ہے۔ وہ ایک بہادر اور فرمانبردار سپاہی تھے۔ ان کی زندگی کا اصل مقصد اسلام کی خدمت تھا۔ شہرت اور نام کی انھیں کوئی پروا نہ تھی۔ انھوں نے سپہ سالار بن کر بھی اسلام کی خدمت کی اور سپاہی کی حیثیت سے بھی، لیکن دل میں اس بات کا خیال تک بھی نہ آنے دیا کہ وہ سپہ سالار سے ایک سپاہی بنا دیے گئے ہیں۔ فرمانبرداری کی اس سے اعلیٰ مثال ہمیں اور کہیں نہیں مل سکتی۔

آپ جہاد کے شوق میں فرمایا کرتے تھے "مجھے میدانِ جنگ کی سخت رات اس رات سے اچھی لگتی ہے، جس میں اپنے بال بچوں کے ساتھ میں گھر پر رہوں"۔

اسلام کے اس بڑے سپاہی نے تقریباً ایک سو پچیس لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ان کے جسم پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں تھی جس پر تیروں اور تلواروں کے زخم نہ ہوں۔

وفات سے پہلے انھوں نے وصیّت کی تھی کہ میرے ہتھیار، میرے گھوڑے اور سامانِ جنگ ان نوجوان مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے جو جہاد کی آرزو رکھتے ہیں مگر ان کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔

یہ وہی خالدؓ بن ولید تھے، جنھیں حضور علیہ السلام نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور جن کی تعریف میں حضرت صدیقؓ اکبر کے یہ الفاظ بھلائے نہیں جا سکتے:

"مسلمانو! تمھارے شیر نے ایران کے شیر کو پچھاڑ دیا۔ خدا کی قسم! خالد جیسا بہادر بچہ کوئی ماں نہیں پیدا کر سکتی"۔

آخر عمر میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اللہ کے اس سپاہی، حضورؐ کے صحابی اور اسلام کے اس عظیم بیٹے نے ۲۲ھ میں ۵۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شام کے مشہور شہر حمص میں ہے، جہاں ہزاروں مسلمان زیارت کے لیے جاتے

نعت

ہمارے نبی احمدِ مصطفےٰؐ ہیں
فدا اُن پہ ہم وہ رسولِ خدا ہیں

حقیقت کی صورت دکھائی انھوں نے
خُدا تک پہنچنے کا وہ راستہ ہیں

وہی بے کسوں، بے نواؤں کے والی
غریبوں، یتیموں کا وہ آسرا ہیں

ہوئے ہیں جو اُن کی محبت کے قیدی
یہ جانو، جہاں کے دکھوں سے رہا ہیں

ہمیشہ رہے نام اُن کا زباں پر
وہی آرزو ہیں وہی مُدّعا ہیں

نظر ان سے کیا اپنے دل کی کہیں ہم
وہ سب جانتے ہیں وہ خوب آشنا ہیں

قیوم نظر

مشق

۱- ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے۔

بے کس - بے نوا - مُدّعا - آشنا - آسرا - فدا ہونا - رِہا ہونا -

2- کوئی اور نعت یاد کر کے سنائیے۔

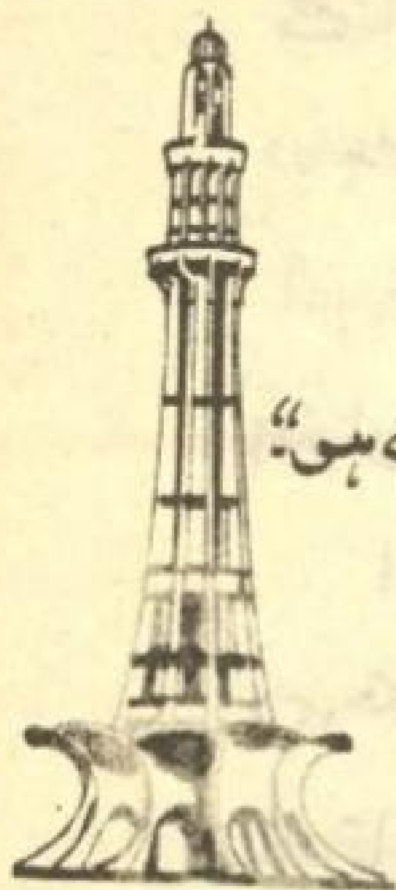
3- ان لفظوں پر اعراب (زیر - زبر - پیش) لگائیے۔

مصطفےٰ ، رسول ، محبت ، مدعا ، حقیقت -

۴- اس شعر کا مطلب بیان کیجیے۔

وہی بے کسوں بے نواؤں کے والی
غریبوں، یتیموں کا وہ آسرا ہیں

مینارِ پاکستان



"عمران بیٹا! اٹھو بھی سہی، دیکھو تو دھوپ نکل آئی اور تم ابھی تک سو رہے ہو۔"

"امی جان! سونے بھی دیجیے، آج تو یومِ پاکستان کی چھٹی ہے۔"

"ہاں بیٹا، چھٹی تو ہے۔ مگر آج تو اور بھی جلدی اٹھنا چاہیے۔"

"واہ امی جان! بھلا چھٹی کے دن کیوں جلدی اٹھنا چاہیے۔"

"بیٹا، آج یومِ پاکستان کا جشن جو منایا جا رہا ہے۔ سب بڑے اور بچے صاف ستھرے کپڑے پہن کر "مینارِ پاکستان" دیکھنے جا رہے ہیں۔ وہاں میلا لگا ہوا ہے۔"

"میلا دیکھنے تو ضرور جاؤں گا امی جان! مگر یہ تو بتائیے۔ یہ مینار کیوں بنایا گیا ہے۔"

"دیکھو، عمران میاں! پہلے اٹھو، منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرو۔ اتنے میں تمھارے ابا جان بھی آجائیں گے۔ ان سے پوچھنا وہ تمھیں مینارِ پاکستان کے متعلق بتائیں گے۔ لو، وہ تمھارے ابا جان بھی آگئے۔"

ابا جان: کیا بات ہے عمران میاں! تم اب تک کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ جلدی اٹھو اقبال پارک چلیں گے، آج تو وہاں بہت رونق ہو گی۔

عمران: ابا جان! میں امی سے پوچھ رہا تھا کہ اقبال پارک میں یہ مینار کیوں بنایا گیا ہے۔ وہ تو کام میں لگی ہوئی ہیں، آپ بتا دیجیے۔

ابا جان: ارے تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ مینار کیوں بنایا گیا؟ لو، ہم بتائے دیتے ہیں۔ عمران میاں! اس مینار کی کہانی بہت پُر جوش بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

میاں! جس میدان میں یہ مینار تیار ہوا ہے اور جسے ہم آج کل "اقبال پارک" کہتے ہیں۔ اسی میدان میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاکھوں مسلمان ہندوستان کے کونے کونے سے آکر جمع ہوئے

تھے اور ان سب نے اکٹھے ہو کر یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصے میں مسلمانوں کی حکومت ہو اور دوسرا حصہ ہندوؤں کے پاس ہو۔

عمران: ابا جان! میں نے تو یہ پڑھا تھا کہ ہندو اور مسلمان برسوں سے اکٹھے رہتے تھے اور ان میں بہت میل جول تھا۔ پھر مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیوں کیا تھا۔؟

ابا جان: بات یہ ہے میاں! ہندوستان پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی اور اپنی حکومت کے زمانے میں انھوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہت فراخدلی اور رواداری کا برتاؤ کیا۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا، غیر مسلموں سے میل جول بڑھایا۔ اپنی قومی زبانوں عربی، فارسی اور ترکی کو ہندوستانی زبان سے ملا کر ایک نئی زبان اردو کو رواج دیا۔ ہندوستان کے عام باشندوں کو تعلیم دلانے کے لیے بڑے بڑے مدرسے قائم کیے۔ غیر مسلموں کو حکومت میں بڑے بڑے عہدے دیے، مگر ایسا برتاؤ کرنے کے بعد بھی ہندوؤں نے اپنی تنگ نظری اسلام دشمنی اور نفرت کو کبھی کم نہیں کیا۔

عمران: ابا جان! میں نے تو یہ بھی پڑھا ہے کہ ہمارے مسلمان بادشاہوں نے اور خاص طور پر اکبر اور جہانگیر نے ہندوؤں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا تھا، پھر بھی ہندو مسلمانوں کو برا سمجھتے تھے، آخر اس کی بھی تو کوئی وجہ ہوگی۔

ابا جان: میاں! اس کی وجہ اصل میں یہ تھی کہ اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب الگ الگ ہیں۔ ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، وہ پتھروں سے بنائے ہوئے بتوں کو پوجتے ہیں۔ اسلام میں سب برابر ہیں۔ امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، سب کو انسان کی حیثیت سے زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور سب سے اچھا وہ ہے جس کے عمل اچھے ہیں۔ ہندو ایسا نہیں سمجھتے۔

عمران: ابا جان! آخر ہندو چاہتے کیا تھے۔؟

ابا جان: وہ تو یہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو، مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے اپنی مکاری سے

ہندوستان پر قبضہ جمالیا تو ہندوؤں نے انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دیا اور ان کی یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کو ہر طرح سے نیچا دکھایا جائے۔ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی، وہ تو تھے ہی مسلمانوں کے دشمن اور ہندوؤں کو یہ یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن انگریزوں کو ہندوستان سے نکلنا پڑے گا۔ اس لیے ابھی سے ایسا کرنا چاہیے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد مسلمان سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔

عمران : عجیب قسم کی قوم ہے یہ تو۔

اباجان : اسی لیے تو مسلمان رہنماؤں نے کہا کہ ہم مسلمانوں کا مذہب اسلام ہے۔ ہماری تہذیب، ہماری زبان، ہمارے کلام، ہمارے رسم و رواج، ہمارے اخلاق، ہمارا رہنا سہنا، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، سب کچھ ہندوؤں سے الگ ہے۔ اس لیے ہمارا ملک بھی الگ ہونا چاہیے۔

عمران : واقعی ابّاجان ! پھر تو ہمارا ملک الگ ہی ہونا چاہیے تھا۔

ابّاجان : ہاں بیٹا ! اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ہندوؤں کی زیادہ تھی۔ اگر دونوں قومیں اکٹھی رہتیں تو ہندو اپنی زیادہ تعداد کی وجہ سے مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان پہنچاتے۔ اس واسطے مسلمانوں کی جماعت "مسلم لیگ" قائم ہوئی اور پھر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو اس میدان میں مسلم لیگ کا بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسے کے صدر قائدِ اعظم تھے انھوں نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے فرمایا کہ علامہ اقبالؒ اور دوسرے مسلمان رہنماؤں کا یہ خیال ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، انھیں ملا کر ایک ایسا اسلامی ملک بنایا جائے، جس میں انگریز کے جانے کے بعد مسلمانوں کی حکومت ہو اور وہ ہندو کے غلام بن کر نہ رہیں۔ جہاں قرآن کے اصول کے مطابق حکومت کی جائے اور اس ملک میں اللہ کا قانون چلے۔ ہماری تہذیب ہمارا رہن سہن اور ہمارے رسم و رواج اسلامی ہوں۔ قائدِ اعظم کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور یہ طے پاگیا کہ ہندوستان کے صوبۂ پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان اور بنگال کو ملا کر ایک اسلامی ملک بنایا جائے، جس کا نام "پاکستان" رکھا جائے۔ اسی کو "قراردادِ

پاکستان" کہتے ہیں۔

عمران: مگر ابا جان! آپ نے اب تک اس مینار کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں بتایا۔

ابّا جان: وہی تو بتا رہا ہوں عمران میاں! اس تجویز کی انگریزوں اور ہندوؤں نے تو بہت مخالفت کی، مگر اب مسلمان جاگ گئے تھے اور مسلمانوں کے بچّے بچّے کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا "بٹ کے رہے گا ہندوستان۔ لے کے رہیں گے پاکستان"۔ پھر ہُوا بھی یہی کہ قائدِ اعظم اور ہندوستان کے تمام مسلمان اس مقصد کے لیے ڈٹ گئے۔ ان کے راستے میں سینکڑوں مشکلات آئیں۔ مگر آزادی کا یہ قافلہ منزل کی طرف بہت تیزی سے بڑھتا رہا اور اس تجویز سے تقریباً سات سال بعد ایک نیا اسلامی ملک بن گیا۔ اپنا آزاد ملک، جس کے سب باشندے آپس میں بھائی بھائی ہیں اور جن کی زندگی کا مقصد ایک ہے۔

عمران: اور اس ملک کا نام ہے "پاکستان"۔ کیوں: ہے نا ابّا جان؟

ابا جان: ارے اب تو تم واقعی سمجھدار ہو گئے ہو۔ اچھا میاں! اب تم آسانی سے یہ بات سمجھ لو گے کہ اس میدان میں ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں نے مل کر پاکستان حاصل کرنے کا تاریخی عہد کیا تھا۔ ان کے راستے میں خون کی ندیاں حائل ہوئیں، مخالفتوں کے طوفان اُٹھے، لیکن مسلمانوں کے پکّے ارادے نے ہر مشکل پر قابو پا لیا۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو "چاند ستارہ کا سبز و سفید پرچم" اقبالؒ کے خواب کی تعبیر اور پاکستان کا قومی پرچم بن کر لہرانے لگا۔ بیٹا! یہ مینار اسی جگہ تعمیر کیا گیا ہے، جہاں مسلمانوں نے اکٹھے ہو کر پاکستان قائم کرنے کا عہد کیا تھا۔ یہ مینار پاکستان کے بچے بچے کو یاد دلاتا رہے گا کہ جب سوچ سمجھ کر اپنے ملک اور قوم کی بھلائی کے لیے کوئی فیصلہ کر لیا جائے تو اس پر عمل کرنے کے لیے ایک ایسی مضبوط چٹان بن جانا چاہیے۔ جسے مخالفتوں کے بڑے سے بڑے طوفان بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں۔

عمران: ابّا جان! اس میدان اور اس مینار کی کہانی تو بہت دلچسپ ہے۔

ابا جان: ہاں بیٹا! دیر بہت ہوگئی، لو اب ذرا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ وہاں پہنچ کر تم دیکھو گے، اس مینار کے پاؤں تو زمین پر ہیں اور سر آسمان کو چھو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مینار کو ہمیشہ قائم اور سر بلند رکھے اور اسی طرح ہماری قوم بھی سربلند ہو۔ آمین۔

مشق

۱۔ مینارِ پاکستان کس جگہ بنایا گیا ہے؟

2۔ مسلمانوں نے الگ ملک کا مطالبہ کیوں کیا تھا؟

3۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے پاکستان کی مخالفت کیوں کی تھی؟

۴۔ کیا آپ نے کسی تاریخی مقام یا عمارت کی سیر کی ہے؟ اگر سیر کی ہے تو اس کی کہانی اپنے لفظوں میں لکھیے۔ اگر سیر نہیں کی تو اپنے استاد صاحب سے کسی تاریخی جگہ کے حالات سن کر لکھیے۔

5۔ ان لفظوں کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے۔

تنگ نظری۔ عبادت۔ اخلاق۔ رسم و رواج۔ مسائل۔ قائم

6۔ ان الفاظ سے جملے بنایئے۔

جشن۔ ناشتہ۔ مطالبہ۔ میل جول۔ رہن سہن۔

اِسلام کی مُجاہدہ

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کے مجاہد حضرتِ ضرارؓ کی چھوٹی بہن تھیں۔ یہ خاتون اگرچہ کم عمر تھیں مگر ان میں غیر معمولی بہادری، دلیری، ہمت اور ذہانت تھی۔ جب مسلمان شام اور مصر میں اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑ رہے تھے تو حضرت خولہؓ اپنے بھائی حضرت ضرارؓ کے ساتھ اِن جنگوں میں شریک تھیں دونوں بہن بھائی ساتھ ساتھ لڑتے، گھوڑے سے گھوڑا ملائے رکھتے اور یہ کہتے تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی بھی شہید ہُوا تو قیامت کے دِن ملاقات ہوگی۔

حضرت خولہؓ نے اپنی ہم عمر لڑکیوں کی ایک فوج تیار کر رکھی تھی۔ اِن لڑکیوں کو پُوری جنگی تربیت دی تھی۔ جب کسی جگہ جنگ ہوتی تو حضرت خولہؓ بھی اپنی فوج کو لے کر ایک طرف کھڑی ہو جاتیں۔ میدانِ جنگ میں جہاں کہیں مدد کی ضرورت ہوتی، اپنی فوج کو ساتھ لے کر مدد کے لیے پہنچ جاتیں۔

جب یرموک کی جنگ ہو رہی تھی تو حضرت خولہؓ اپنی سہیلیوں کی فوج کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھیں۔ اِتفاق سے اُس دن اُن کے ساتھ کچھ ایسی لڑکیاں بھی تھیں جنھوں نے اچھّی طرح جنگی تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ اُس دن بُہت سخت لڑائی ہوئی۔ کچھ کافر، عورتوں کی طرف بڑھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ سے چاہتی تھیں کہ ہمیں بھی جہاد کر کے شہادت کا رُتبہ حاصل ہو۔ فوراً مقابلے پر نکل آئیں اور کافروں سے لڑنے لگیں۔ وہ لڑکیاں جنھوں نے اچھی طرح تربیت حاصل نہیں کی تھی بھاگنے لگیں۔ حضرت خولہؓ کو بُہت غصّہ آیا اور جوش سے کہا: "تم ہماری جماعت سے نکل جاؤ، تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو، تم مُسلمانوں کے نام پر

بُزدلی کا دھبّہ لگاتی ہو، ہمارے پاس تمہارا کچھ کام نہیں۔" اِن لڑکیوں نے جب یہ لعن طعن سُنے تو حضرت خولہؓ سے معافی مانگی اور قسم کھا کر کہا: "ہم مرجائیں گے لیکن اِس جگہ سے نہیں ہٹیں گے۔"

کافروں کو ایسی عورتوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا جو اتنی بہادری سے لڑتی ہوں۔ حضرت خولہؓ لڑتے لڑتے بہت زخمی ہوگئی تھیں مگر پھر بھی ہمّت سے لڑ رہی تھیں اور اپنی فوج کا حوصلہ بھی بڑھا رہی تھیں۔ اچانک ایک کافر کی تلوار اُن پر پڑی اور وہ سخت زخمی ہوگئیں۔ تمام جسم خُون میں نہا گیا۔ ایک دوسری مجاہدہ خاتون نے آگے بڑھ کر اِس کافر کو قتل کر دیا اور حضرت خولہؓ کو میدانِ جنگ سے خیمے میں لے گئیں، مرہم پٹّی کی۔ ہوش میں آتے ہی حضرت خولہؓ نے پوچھا کہ کافروں کا کیا ہُوا؟ مجاہدہ خاتون نے بتایا کہ اب میدان میں اُن کی لاشیں پڑی ہیں، البتہ کچھ اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ حضرت خولہؓ نے یہ سنتے ہی اللہ کا شکر ادا کیا۔ اِتنے میں شام ہوگئی اور مسلمان میدانِ جنگ سے واپس آنے لگے۔ حضرت خولہؓ نے اپنے زخموں کی پروا تک نہ کی اور مَشک اٹھا کر مجاہدوں کو پانی پلانے لگیں۔ اُن کی اِس بہادری اور ہمّت کی وجہ سے حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ جیسے فوج کے سردار اُن کی بہت قدر کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت خولہؓ کچھ مسلمان خواتین کے ساتھ جارہی تھیں۔ چند مسلمان فوجی بھی اُن کے ساتھ تھے کہ دشمنوں کی ایک بہت بڑی فوج نے اُن پر حملہ کر دیا۔ مسلمان عورتیں اور فوجی بہت بہادری سے لڑے، مگر کافر اُن کے مقابلے میں چھ گُنا تھے کہاں تک مقابلہ کرتے۔ لڑتے لڑتے مسلمانوں کے ہاتھ شل ہوگئے اور اُن کے لیے تلوار اٹھانا بھی مشکل ہوگیا، آخرکار گرفتار ہوگئے۔ کافروں نے مسلمان خواتین کی بہادری کے واقعات سُن رکھے تھے۔ جب اُنھیں معلوم ہُوا کہ گرفتار ہونے والی عورتوں میں بہادر

خاتون حضرت خولہؓ بھی ہیں تو بہت خوش ہوئے اور سب عورتوں کو ایک خیمے میں بند کردیا۔ حضرت خولہؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ قیدی بن کر رہیں۔ انھوں نے سب ساتھیوں کو جوش دلایا اور کہا: "کیا تم اِس بات کو پسند کرتی ہو کہ سب لوگ تمھیں بُزدل کہیں اور ہماری وجہ سے اِسلام کے نام پر دھبّہ لگے۔ اگر تم میں اِسلامی غیرت ہے تو اُٹھو، آزادی حاصل کرو یا شہادت"۔

یہ سنتے ہی سب عورتوں کو جوش آگیا۔ انھوں نے کہا: "خولہؓ! تمھیں معلوم ہے ہم موت سے نہیں ڈرتے، لیکن افسوس، اِس وقت ہمارے ہاتھ میں نہ تلوار ہے نہ کوئی دوسرا ہتھیار، ورنہ اِن کافروں کو دِکھا دیتے کہ ہم مسلمان عورتیں کیا کچھ کرسکتی ہیں"۔ حضرت خولہؓ نے کہا: "کچھ پروا نہیں، ہتھیار نہیں ہیں تو نہ سہی، اُٹھو! اِس خیمے کی بڑی بڑی میخیں اور چوبیں اُکھاڑ لو اور اللہ کا نام لے کر دشمن پر حملہ کردو"۔ سب نے میخیں اور چوبیں اُکھاڑ لیں اور باہر نکل کر جو سپاہی نظر پڑا اُس پر حملہ کردیا۔ اِس اچانک حملے سے بہت سے کافر مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہو کر بھاگے اور اپنے سردار کو اِطلاع دی۔ سردار نے سمجھا کہ مسلمانوں کی کسی فوج نے حملہ کردیا ہے۔ اُس نے گھبرا کر سپاہیوں کو حملہ کرنے کا حُکم دیا۔ سپاہی تلواریں اُٹھا کر مقابلہ پر آگئے اور مسلمان خواتین کو قتل کرنے لگے۔ یہ بہادر خواتین خالی ہاتھ تھیں اور کافر ہتھیاروں سے لیس، مگر اِن مجاہدہ عورتوں نے اِس بات کی پروا تک نہ کی، جوش سے لڑتی رہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوئیں۔ یہ بہت خوش تھیں کہ اب اللہ کے راستے میں ہمیں شہادت کا درجہ نصیب ہوگا کہ یکایک ایک طرف سے اللہ اکبر کے نعروں کی آواز آئی۔ معلوم ہُوا کہ مدد کے لیے مسلمان فوج پہنچ گئی ہے۔ اب کافر بُرے پھنسے۔ ان کے پیچھے مسلمان مجاہد تھے اور سامنے مجاہد عورتیں۔ جب کافروں نے یہ دیکھا تو گھبرا کر بھاگ نکلے اور مسلمان اِن مجاہد عورتوں کو لے کر واپس آگئے۔ اللہ، اللہ!

کیسا جوش اور کتنی ہمّت تھی اُن مسلمان خواتین میں! وہ اپنی بہادری سے مردوں کو دکھادیتی تھیں کہ دیکھو ہم کسی بات میں تم سے پیچھے نہیں۔

حضرت خولہؓ اپنے بھائی حضرت ضرارؓ سے بہت محبّت کرتی تھیں۔ یوں تو سب بہنیں بھائیوں کو چاہتی ہیں مگر بہادر مجاہد بھائی کے ساتھ خولہؓ کی محبت ایسی تھی کہ اُن کی ذرا سی تکلیف بھی اُنھیں گوارا نہیں تھی۔ جنگ میں خود زخمی ہوجاتیں تو پروا بھی نہ کرتیں، مگر جب حضرتِ ضرارؓ زخمی ہوجاتے تو بے قرار ہوجاتیں اور رو رو کر بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگتیں: "اَے میرے مولا! میرے بھائی کو اِسلام کی خدمت کے لیے زندہ سلامت رکھ، میرے مولا! اُس کی جان میری جان سے زیادہ قیمتی ہے، وہ اِسلام کی خدمت مجھ سے زیادہ کرسکتے ہیں"۔

دمشق کے محاصرے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضرتِ ضرارؓ بھی گرفتار ہوگئے۔ بھائی کی گرفتاری کو سُن کر بے قرار ہوگئیں اور جب تک اُنھیں آزاد نہ کرالیا، چین سے نہیں بیٹھیں۔

جب یہ میدانِ جنگ میں جاتیں تو جنگ میں حِصّہ لیتیں اور جنگ سے فارغ ہوکر زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصرُوف ہوجاتیں۔ یہ خاتون مجاہدہ اپنی بہادری اور ہمّت سے مسلمان خواتین کو یہ سبق دے گئی ہیں کہ مسلمان عورتیں بھی باطل کے مقابلے میں حق کے لیے جان لڑا سکتی ہیں۔

مشق

۱- حضرت خولہؓ کی بہادری کے واقعات اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲- جنگ کے دوران مسلمان عورتیں کیا کیا خدمات انجام دیتی تھیں؟

کیا ہو نہیں سکتا

پہلا سین

(ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم، تین لڑکیاں کرسیوں پر بیٹھی کام میں مصروف ہیں۔ ایک پڑھ رہی ہے، دوسری سوئیٹر بُن رہی ہے، تیسری لکھ رہی ہے)

ساجدہ: اوہ! سردی کے مارے پیر بالکل برف ہو گئے ہیں۔

عشرت: موزے کیوں نہیں پہن لیتی ہو سجّو! سردی لگ جائے گی تو پھر مرتی پھرو گی۔

فریدہ: یہ تو خدا سے چاہتی ہے کہ بیمار پڑ جائے تاکہ خوب خاطریں ہوں، امّی ناز برداری کریں، باجی بار بار طبیعت پوچھیں اور اس کے ٹھاٹ ہو جائیں۔

ساجدہ: فریدہ باجی؟

فریدہ: فریدہ باجی کیا! تم کام چور اور کاہل تو ہمیشہ کی ہو۔ اب اور بھی آرام طلب بنتی جا رہی ہو۔

ساجدہ: اور آپ جیسے بہت کام کرتی ہیں۔ جتنا کام میں کرتی ہوں اگر......

فریدہ: ذرا میں بھی تو سنوں، کون سے کام کرتی ہیں آپ؟

ساجدہ: اسکول کا کام کم ہوتا ہے کیا؟

فریدہ: (قہقہہ لگا کر) اسکول کا کام، اسکول کا کام بھی کوئی کام ہوتا ہے؟ اور وہاں بھی کیا کرتی ہو۔ کسی لڑکی سے کاپی مانگ لی، اس سے نقل کر لیا، چلو چھٹی ہوئی۔

ساجدہ: فریدہ باجی! میں امّی سے کہہ دوں گی۔ ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ میں سچ ابھی رو دوں گی۔

فریدہ: یہ سب سے آسان کام ہے۔

ساجدہ: عشرت باجی! آپ دیکھ رہی ہیں؟

عشرت: فریدہ بس اب ختم کرو۔

فریدہ: لیجیے چھوٹی بی تو چھوٹی بی، بڑی بی سُبحان اللہ، آپ خود کونسا امّی کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ میں تو ساجدہ کو چھیڑ رہی تھی۔ وقت ذرا اچھا گزر جاتا ہے۔

عشرت: ہاں وقت تو اچھا گزر جاتا ہے مگر زندگی نہیں گزرتی بنّو! جب سے ابّا جان ہم سے جُدا ہوئے ہیں، دیکھتی نہیں ہو امّی سُوکھ کر کانٹا ہو گئی ہیں۔ مالی پریشانیوں نے اُن کو بُوڑھا کر دیا ہے۔

ساجدہ: اگر بڑی باجی نہ ہوں تو گھر ایک دن بھی نہ چلے۔ وہ بیچاری ہم سب کے لیے کتنا کام کرتی ہیں۔ اسکول میں پڑھاتی ہیں، ٹیوشن کرتی ہیں اور اِس پر بی۔ایڈ بھی کر رہی ہیں۔

عشرت: اور باجی کی تنخواہ بھی کتنی ہے، بس پیٹ بھر جاتا ہے۔ اب دیکھو یہاں کتنی سردی ہو رہی ہے، کِسی کے پاس گرم کپڑے نہیں ہیں اور اِس بار تو کوئلہ خریدنے کے لیے بھی ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ تھوڑے دِنوں بعد برف باری شروع ہو جائے گی، پھر کیا ہوگا، تم کو مذاق کی سُوجھی ہے؟

فریدہ: ہاں یہ تو ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟

عشرت: یہی تو سوچنے کی بات ہے اور صرف ایک کے نہیں، ہم سب کے سوچنے کی بات ہے۔

فریدہ: میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔

ساجدہ: آپ کی سمجھ میں تو اس وقت آئے گا جب آپ سے کہا جائے کہ دیکھو وہ سامنے جو روپے کا پیڑ ہے ذرا اُسے ہِلا ڈالو۔ نہیں یہ کام بھی دُوسرا کرے، آپ تو صرف رُوپے چُن لیجیے۔

فریدہ: اچھا تو تم اب بدلہ لے رہی ہو، میرا مذاق اُڑا رہی ہو۔

ساجدہ: فریدہ باجی عمل کرنا بڑی باجی سے سیکھیے۔ آپ بھی تو مجھ سے بڑی ہیں کچھ کیجیے نا!

(امّی کمرے میں داخل ہوتی ہیں)

امّی: یہ تم سب یہاں کیا کر رہی ہو، ابھی سوئیں نہیں۔ ارے تم اتنی سنجیدہ کیوں ہو؟

عشرت: امّی پہلے یہ تو بتائیے کہ آپ کی آنکھیں سُرخ کیوں ہو رہی ہیں اور موٹی موٹی بھی نظر آ رہی ہیں، آپ ضرور روئی ہوں گی؟

امّی: تم کو تو وہم ہو گیا ہے، باورچی خانے میں تھی، شاید دھوئیں سے پانی آ گیا ہوگا۔

ساجدہ: نہیں امّی! سچ بتائیے آپ رو کیوں رہی تھیں؟

امّی: (ٹھنڈی سانس بھر کر) تم لوگوں کا خیال کر کے اور اپنے حالات پر ایسے ہی رونا آ گیا تھا۔

(باہر سے آواز آتی ہے ٹیلی گرام لے جائیے)

عشرت: (بھاگ کر باہر جاتے ہوئے) ارے تار کس کا آ گیا؟

امّی: اللہ خیر کرے، جب سے تمہارے ابّا کا انتقال ہوا ہے یہ پہلا تار آیا ہے۔

ساجدہ: ہو سکتا ہے خالہ جان آ رہی ہوں۔

امّی: ارے وہ کہاں آئے گی۔ اتنے کُنبے کو ساتھ لانا بہت مشکل ہے۔

عشرت: (دُور سے پکار کر کہتی ہے) امّی! امّی! ماموں جان آ رہے ہیں۔

امّی: ارے سچ؟ اللہ میرے بھائی کو ساتھ خیریت کے لائے۔ کب آ رہا ہے؟

عشرت: جی آج شام ہوائی جہاز سے۔

امّی: (آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں) اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، تُو نے میری سُن لی۔ اب میری بچیوں کا بھی کچھ ہو جائے گا۔

ساجدہ: امّی! ماموں جان کا آنا آپ کو مبارک ہو۔

امّی : ہاں بیٹی! تمہارے ماموں جان بیس سال بعد وطن واپس آرہے ہیں۔ میرے لیے تو ایسا ہے جیسے کوئی کھویا ہُوا بھائی مِل جائے۔

فریدہ: افوہ! بیس سال بعد آرہے ہیں، جب وہ گئے تو ہم پیدا بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔

امّی : اور کیا، جب گیا تھا تو شائستہ ایک سال کی تھی۔

عشرت : اچھّا خیر، یہ سب باتیں تو ہوتی رہیں گی، تیاری کرنی چاہیے۔ ہم سب ماموں جان کو لینے شام کو ہوائی اڈّے پر چلیں گے۔

امّی : اور ہاں، شائستہ کو اِطّلاع دو تاکہ وہ جلدی گھر واپس آجائے اور فون کر کے جہاز آنے کا وقت معلوم کرتی آئے۔

ساجدہ : جی مَیں ابھی باجی کو اِطّلاع دیتی ہُوں۔

دُوسرا سین

(وُہی ڈرائنگ رُوم، سب لڑکیاں، امّی اور ماموں جان بیٹھے ہوئے ہیں)

امّی : بھئی حبیب! یہ تم نے کیا کیا؟ مَیں تو سمجھی تھی کہ اتنے دنوں بعد آئے ہو تو کچھ دِن رہو گے، تم تو ایک ماہ بھی نہیں رہے۔

حبیب : بس باجی! مصروفیات اِتنی ہیں کہ بتا نہیں سکتا۔ کسی طرح وقت نکال کر آپ لوگوں سے ملنے آگیا ورنہ اس کی بھی اُمید نہیں تھی۔

شائستہ : ماموں جان! یہ بتائیے کہ آپ پھر کب آئیں گے؟ لیکن خدا کے لیے اب کی بار کم از کم چھ ماہ کے لیے آئیے گا۔

حبیب : (ہنس کر) ہاں بی بی اِنشاءاللہ یہی ہوگا۔ لیکن آج مَیں ایک خاص بات تم لوگوں سے کرنے والا ہُوں، اُسے غور سے سُن لو۔ تم لوگوں کو باجی نے بتادیا ہوگا کہ میں نے شادی تو کی نہیں تھی، میرے لیے تو تم ہی میری اولاد کی جگہ ہو۔ مَیں نے باہر جو کچھ کمایا ہے وہ سب تم لوگوں کی امانت ہے اور اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔

امّی : ماشاءاللہ ! اللہ تمھیں اور بھی دے ۔ کاش تم شادی بھی کر لیتے ۔

جبیب : ارے اِس کا ذکر چھوڑیے ۔ تو مَیں یہ کہہ رہا تھا کہ اَب مَیں انشاءاللہ تین سال بعد آؤں گا اور یہ دیکھوں گا کہ تم سب نے کیا کیا اچّھے کام کیے ہیں اور کتنی ترقی کی ہے ؟ جو لڑکی سب سے زیادہ کامیاب ہوگی اُسے میں سب سے اچھا انعام دُوں گا ۔

امّی : ارے جبیب چھوڑو اِس قِصّے کو ، مجھے اور اِن لڑکیوں کو دولت کی ضرورت نہیں ۔

جبیب : جی ہاں باجی ! مجھے بھی اِس کا اندازہ ہے ۔ ماشاءاللہ یہ سب بچیاں ذہین اور باسلیقہ ہیں ۔ سب کو اپنے حالات کا اِحساس ہے ۔ ہر ایک بہت محنت سے پڑھ رہی ہے اور کام سیکھ رہی ہے اور محنت سے کمانے میں جو راحت ملتی ہے اس کے سامنے دولت کوئی چیز نہیں ۔ مگر میرا خیال ہے کہ شائستہ کے علاوہ ابھی یہ بچّیاں بہت کم سِن ہیں ۔ اِنھیں دنیا کا اندازہ نہیں ۔ مَیں چاہتا ہوں یہ خوب محنت کریں ، ترقی کریں اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کریں ۔

فریدہ : ماموں جان ! اچّھا یہ بتائیے کہ آپ کا یہ پکّا وعدہ ہے کہ تین سال بعد ضرور آئیں گے ؟

جبیب : یقیناً بیٹی ! مَیں ضرور آؤں گا اور تم لوگوں کو دیکھنے آؤں گا اور تمھاری محنت کا صلہ بھی دوں گا ۔ اچّھا اب مجھے شہر جا کر کچھ خریدنا ہے اور پھر جانے کی تیاری کرنا ہے ۔ اب شام کو ملاقات ہوگی ۔ خدا حافظ ۔

تیسرا سین

(تین سال بعد)

(ایک شاندار گھر کا ڈرائنگ روم جس میں وہی سب لڑکیاں اپنی امّی اور ماموں جان کے ساتھ بیٹھی ہیں) ۔

ماموں جان : بھئی ماشاءاللہ تم لوگ تو میری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہوئیں اور مَیں یہ سوچ رہا ہوں کہ کِسے زیادہ کامیاب قرار دُوں ۔ شائستہ ماشاءاللہ یونیورسٹی میں پڑھا رہی ہیں عشرت نے ایم ۔ ایس سی میں گولڈ میڈل حاصل کیا ہے ۔ فریدہ کو بنک میں ملازمت مل گئی

ہے اور ساجدہ نے کشیدہ کاری اور کپڑے سینے کا پُورا اِدارہ قائم کرلیا ہے۔ تم تو سب ایک دوسرے سے بڑھ کر ثابت ہوئی ہو۔ میرے لیے تو بڑی مشکل پیدا ہو گئی ہے۔ کس کے حق میں فیصلہ کروں۔

شائستہ: ماموں جان! مجھے کچھ کہنے کی اِجازت ہے؟

ماموں جان: ضرور، ضرور، کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟

شائستہ: ماموں جان! مجھے سب بہنوں نے اپنا وکیل مقرّر کیا ہے اور مُجھ سے کہا ہے کہ میں یہ اِعلان کروں کہ اب ہم ماشاء اللہ سب اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہیں اور یہ کامیابی بھی آپ کی نصیحت اور دُعاؤں کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا اب ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں آپ کا بہت بہت شکریہ۔

ماموں جان: شاباش! مَیں دراصل یہی سُننا چاہتا تھا۔ اب میں ایک بات بتا دُوں کہ بی بی! نہ میرے پاس جائداد ہے نہ کارخانے اور زمینیں۔ میری دولت تو تُم سب لوگ ہو۔ میں کویت میں ایک دفتر میں مُلازم ہُوں اور بس۔ لیکن تم لوگوں نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا جو مَیں چاہتا تھا۔ مَیں تو بس تم میں قوّتِ عمل پیدا کرنا چاہتا تھا اور خدا کا شکر ہے اُس نے مجھے اِس میں کامیاب کیا۔ مَیں تم سب کو مبارکباد دیتا ہُوں۔

سب: (زور سے ہنستے ہُوئے)۔ شکریہ، شکریہ۔ ماموں جان زندہ باد۔

(پردہ گِرتا ہے)

مشق

۱- اس ڈرامے کی کہانی مختصر الفاظ میں بیان کیجیے۔

- ان لفظوں کے معنے اپنی کاپی میں لکھیے۔

ناز برداری، یتیم، حوصلہ، وظیفہ، کشیدہ کاری، ٹیوشن۔

گائے اور بکری

اِک چراگہ ہری بھری تھی کہیں — تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں — ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت — اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں — طائروں کی صدائیں آتی تھیں

کسی ندّی کے پاس اِک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی

جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا — پاس اِک گائے کو کھڑے پایا
پہلے جُھک کر اُسے سلام کیا — پھر سلیقے سے یُوں کلام کیا
"کیوں بڑی بی مزاج کیسے ہیں؟" — گائے بولی کہ "خیر اچھے ہیں"
کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی — ہے مصیبت میں زندگی اپنی
زور چلتا نہیں غریبوں کا — پیش آیا لکھا نصیبوں کا
آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے — اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے
دُودھ کم دُوں تو بڑبڑاتا ہے — ہُوں جو دُبلی تو بیچ کھاتا ہے
اِس کے بچّوں کو پالتی ہُوں مَیں — دُودھ سے جان ڈالتی ہُوں میں

بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے
میرے اللہ! تِری دُہائی ہے

سُن کے بکری یہ ماجرا سارا — بولی "ایسا گِلہ نہیں اچھّا"
بات سچّی ہے بے مزا لگتی — مَیں کہوں گی مگر خُدا لگتی

یہ چراگہ یہ ٹھنڈی ہوا   یہ ہری گھاس اور یہ سایا
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں   یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں

یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
لُطف سارے اُسی کے دم سے ہیں

سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا   واں کی گُزران سے بچائے خُدا
ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا   ہم کو زیبا نہیں گِلا اس کا

قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گِلا نہ کرو

گائے سُن کر یہ بات شرمائی   آدمی کے گِلے سے پچھتائی
دِل میں پرکھا، بھلا بُرا اُس نے   اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

"یُوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دِل کو لگتی ہے بات بکری کی"

اقبالؒ

مشق

(1) بکری نے گائے سے کیا کہا؟ اور گائے نے کیا جواب دیا؟

(2) بکری نے گائے کو کیا سمجھایا؟

(3) اِن لفظوں کے معنی یاد کیجیے:

کھٹکا۔ زیبا۔ پالا پڑنا، خدا لگتی کہنا، پرکھنا۔

(4) اِس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

سانچ کو آنچ نہیں

ایک دن بچوں نے مغرب سے پہلے ہی کھانا کھالیا اور ابھی بڑی اماں مغرب کی نماز کے بعد تسبیح ہی پڑھ رہی تھیں کہ لگے کہانی کا تقاضا کرنے۔

راشد میاں، جو سب سے چھوٹے بھی تھے اور شوخ بھی، بولے۔ بڑی اماں سنائیے نا کہانی۔

رشیدہ بولی: "بڑی امّاں، وہی پریوں والی کہانی سنائیے۔"

بڑی اماں کہنے لگیں: "چین سے تسبیح تو پڑھ لینے دو۔ ابھی کون سی ایسی رات ہو گئی۔ جاؤ، میں نہیں سناتی کہانی۔"

حمید میاں، جو ذرا سمجھدار تھے، اسکول میں پڑھتے تھے، چہک کر بولے: "بالکل ٹھیک ہے بڑی اماں! انھیں کہانی بالکل نہ سُنائیے۔ بس مجھے یہ بتا دیجیے کہ سانچ کو آنچ نہیں کا کیا مطلب ہے؟"

بڑی اماں نے کہا: "اگر کہانی کی کہانی ہو جائے اور تم اس کا مطلب بھی سمجھ جاؤ حمید میاں! پھر کیسا؟"

"پھر تو بہت ہی اچھا ہو بڑی اماں۔"

"اچھا لو سنو اور ہاں دیکھو، ہنکارے بھرتے رہنا۔" سب نے کہا: "اچھا بڑی اماں"
بڑی اماں نے کہانی شروع کی۔

یہ ہمارے اسی شہر کا قصّہ ہے۔ آج سے کوئی چالیس سال پہلے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ یہاں نہ پکی سڑکیں تھیں، نہ بجلی تھی اور نہ کوئی اچھی دکان تھی۔

راشد میاں اچھل کر بولے: "پھر تو یہاں ٹافیاں بھی نہیں بکتی ہوں گی بڑی اماں۔"

دوسرے بہن بھائیوں نے انھیں زبردستی چُپ کیا اور کہانی پھر شروع ہو گئی۔

ہمارے گاؤں کے سب لوگ خرید و فروخت کرنے احمد پور جایا کرتے تھے۔

ہمارے گاؤں سے ایک دفعہ بڑا چودھری چھکڑوں میں اپنا غلّہ لدوا کر احمد پور لے گیا۔ اس نے تمہارے بڑے ابّا اور دوسری کئی آسامیوں سے بے ایمانی کر کے سو ڈیڑھ سو من زیادہ غلّہ وصول کر لیا تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس سال کئی ہزار روپے زیادہ آجائیں گے تو وہ گاؤں کی وہ زمین خرید لے گا، جس میں خوشبودار تمبا کو پیدا ہوتا ہے۔

گاؤں کا تیلی بھی کھلی اور تیل لے کر احمد پور گیا۔ اس نے ایک من سرسوں میں دوسری چیزیں ملا کر کئی من تیل بنا لیا تھا۔ تیل میں اُسے فائدہ ہی فائدہ تھا۔ اُس نے اپنے بوڑھے چچا کو دھوکا دے کر دو من تیل پچاس روپے میں خرید لیا تھا اور شہر میں ان دِنوں اَسّی روپے من کا بھاؤ تھا۔

فتّو جاٹ بھی اپنے دو بچھڑے لے کر احمد پور بیچنے گیا۔ اس پر لوگوں کا قرضہ بہت ہو گیا تھا۔ پھر یہ بچھڑے اس نے کونسے رقم دے کر خرید ے تھے۔ ایک تو اس کے ماموں کی گائے کا تھا جو اس نے دبا لیا تھا۔ اس کے ماموں نے اپنی گائے اور بچھڑا فتو کے پاس چھوڑ رکھے تھے اور فتّو نے اپنے ماموں کو کہلا بھیجا تھا کہ تمہارا بچھڑا چند دن بیمار رہ کر مر گیا اور دوسرا بچھڑا وہ دریا پار کے گاؤں سے ہانک لایا تھا۔ حلقے کے پٹواری صاحب بھی آٹھویں دسویں احمد پور جایا کرتے تھے۔ انھیں کوئی خاص کام تو ہوتا نہیں تھا۔ بس یُونہی اِدھر اُدھر کا حال معلوم کرنے اور اپنی اوپری کمائی کا موقع ڈھونڈنے بازار میں آنکلتے تھے۔

دادن خان مالی بھی اپنے کھیت کی سبزی ترکاری احمد پور لے جا کر بیچتا تھا۔ وہ غریب سارا بوجھ اپنے سر پر لے جاتا تھا۔ سال بھر پہلے اُس کی بیوی مر گئی تھی۔ کئی چھوٹے چھوٹے بچّے چھوڑ گئی تھی۔ دادن خاں اپنی کھیتی باڑی اور محنت مزدوری سے اتنے پیسے ضرور کما لیتا تھا جس سے وہ اپنے کنبے کا کپڑا لتّا اور دال روٹی چلا سکے۔

ہمارے گاؤں کے یہ سب لوگ اتفاق سے ایک ہی دن احمد پور میں اکٹھّے ہو گئے۔ صبح سے بادل چھائے ہوئے تھے، اس لیے جلدی جلدی اپنے کام سے فارغ ہوئے۔ اتنے میں بوندا باندی

بھی شروع ہو گئی اور یہ سب اپنا اپنا کام کاج سمیٹ کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ تیز بارش نے آلیا۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹوٹا پھوٹا چھپر پڑا ہوا تھا۔ سب دوڑ کر اس میں گھس گئے۔ دادن خاں مالی بیچارہ سب سے غریب تھا۔ وہ اس جھونپڑی کی دیوار کے سہارے اپنا منہ باہر نکالے کھڑا تھا۔ شام ہوتی جا رہی تھی اور گھر جانے کی جلدی سب کو تھی۔

بڑا چودھری اپنے مرشد کی باتیں سنا رہا تھا کہ ان کی ایک انگلی کے اشارے سے بادل پھٹ گیا اور سورج نکل آیا۔ اتنے میں بجلی کا کوندا جھونپڑی کے سامنے دل ہلا دینے والی کڑک کے ساتھ لہرایا، سب سہم گئے۔ دو چار منٹ کے بعد پھر بجلی کڑکی اور جھونپڑی کے سامنے لہرا کر لوٹ گئی۔ پھر تو ہر منٹ دو منٹ کے بعد یہی ہونے لگا۔ بجلی کوندتی، کڑک ہوتی اور جھونپڑی کے دروازے پر لہریے بناتی لوٹ جاتی۔ بڑا چودھری بولا، "بھائی ہم میں کوئی نہ کوئی گنہگار ضرور ہے، یہ بجلی اس کی بھینٹ ضرور لے گی۔ بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے باری باری ہر ایک باہر جا کر میدان میں کھڑا ہو جائے تاکہ دوسرے محفوظ رہیں۔" بڑا چودھری یہ کہتے ہی اللہ کا نام لے کر باہر جا کھڑا ہوا۔ بجلی چمکی، کڑک ہوئی مگر چودھری جی خیریت سے رہے اور پھر جھونپڑی میں آ گئے۔

پھر گاؤں کا تیلی، فتوجاٹ، حلقے کا پٹواری اپنی اپنی باری پر سب آئے اور سب امتحان میں کامیاب ہوئے۔ انھیں نہ بجلی نے چھیڑا نہ گرج کڑک نے کچھ کہا۔ بس اب دادن خاں مالی آزمائش کے لیے رہ گیا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ بجلی کوند کوند کر، تڑپ تڑپ کر، لہک لہک کر اسی کو تلاش کر رہی ہے۔ دادن خاں نے سبزی بیچ کر جو پیسے حاصل کیے تھے، وہ بڑے چودھری کو دیے کہ یہ میرے بچوں کو دے دیں۔ انھوں نے بھی دادن خاں کی یہ آخری خدمت منظور کر لی۔ دادن خاں اللہ کا نام لے کر "سانچ کو آنچ نہیں" کہتا ہوا باہر میدان میں جا کھڑا ہوا۔ اس کے باہر نکلتے ہی بادل زور شور سے گرجنے لگا۔ بجلی زخمی ہرن کی طرح تڑپنے لگی جھونپڑی میں کھڑے ہوئے سب لوگ دادن خاں کے سر پر کھیلنے والی موت کا انتظار

کرنے لگے۔

اچانک ایک تڑاقا ہوا، بجلی کوندی، سانپ کی طرح لہراتی جھونپڑی پر آئی اور جھونپڑی ایسے جل گئی، جیسے وہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں، نہ جھونپڑی نہ انسان دادن خان بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو یہ کہتا ہوا چل پڑا۔ بڑوں نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ "سانچ کو آنچ نہیں"۔

"کہو حمید میاں! سمجھ گئے نا "سانچ کو آنچ نہیں" کا مطلب"۔ بڑی اماں بولیں "ارے یہ ارشد میاں اور رشیدہ تو سو گئے۔ اچھا۔ بچو! اب ایک اس سے بھی اچھی اور سچی کہانی کل کو سنائیں گے۔ بس اب تم بھی سو جاؤ۔

میں عشا کی نماز پڑھ لوں اور حمید میاں اب ماشاء اللہ تم بھی بڑے ہو گئے ہو۔ کل سے اپنے ابا کے ساتھ نماز پڑھنے مسجد میں جایا کرو"۔

مشق

۱۔ "سانچ کو آنچ نہیں" سے کیا مراد ہے؟ کہانی کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2۔ اس کہانی سے آپ نے کیا سبق سیکھا؟

3۔ درج ذیل الفاظ جملوں میں استعمال کیجیے:۔

قصہ کہانی۔ ہنکارے۔ لگان۔ بھینٹ۔ تڑاقا۔

۴۔ معنے بتایئے:۔

شوخ۔ کپڑا لتا۔ مرشد۔ آزمائش۔ لہک۔

ماچس کی کہانی، اپنی زبانی

میں ایک ننھی سی چیز ہوں، پر کام کرتی ہوں بڑے بڑے۔ آپ مجھے ضرور پہچانتے ہوں گے۔ کھانا پکانا ہو یا دودھ گرم کرنا، پانی گرم کرنا ہو یا کوئی چیز ابالنا، ہر کام میں میری مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی چولھا میرے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ گیس کا چولھا، تیل کا چولھا، تنور، مٹی کا وہ چولھا جس میں لکڑیاں جلتی ہیں، کوئی چولھا اس وقت تک نہیں جل سکتا جب تک میں اس کی مدد نہ کروں۔ اسی طرح اندھیری رات ہو یا بجلی چلی گئی ہو۔ آپ کے گھر میں لالٹین جلتی ہو یا پیٹر و میکس، دیا جلتا ہو یا موم بتی، میرے بغیر یہ اندھیرا دور نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز کو روشن کرنے میں مجھے مہارت حاصل ہے۔ بلوچستان میں سردی کی شدت ہو یا برف پڑ رہی ہو۔ کمروں کو گرم کرنے کے لیے آتشدان اور چولھے جلتے ہوں یا انگیٹھیاں، غرض کہ کوئلے اور لکڑی کو جلانے کے لیے مجھے استعمال کیے بغیر سردی نہیں گزر سکتی۔ اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کون ہوں اور کیسے کیسے مفید اور ضروری کام کرتی ہوں۔ اب بھی نہیں پہچانا؟ چلیے اور اتا پتا بتاتی ہوں۔ آپ کو وقت پر روٹی ملتی ہے۔ اندھیرا گھر روشن ہو جاتا ہے۔ سردی کا موسم میری وجہ سے آرام سے گزرتا ہے۔ اس سے آپ کو یہ اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ میں آپ کی کتنی خدمت کرتی ہوں، نہیں پہچانا؟ لیجیے میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔

میں ہوں ماچس کی تیلی، جو لکڑی کی باریک باریک تیلیوں کے سرے پر ایک مسالہ لگانے سے بنائی جاتی ہے۔ مگر میری شکلیں کئی طرح کی ہیں۔ میری ایک شکل وہ بھی ہے جو سلولائیڈ اور نائلون کی بہت ہی باریک

اور چھوٹی چھوٹی تیلیوں پر مسالہ لگانے سے بنتی ہے۔ میری ایک شکل گتے کی بنائی ہوئی مصنوعی تیلیوں پر سرخ اور سرمئی مسالہ لگانے سے بھی تیار کی جاتی ہے لیکن میں کبھی اکیلی نہیں ہوتی۔ بلکہ میری بہت سی سہیلیاں اور بھی ہوتی ہیں اور ہم سب کو لکڑی کی ایک چھوٹی سی ڈبیا میں بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ ڈبیاں جیسا ہمارا قد ہوتا ہے اسی کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ البتہ گتے کی بنی ہوئی مصنوعی تیلیوں کے لیے گتے کا بٹوا نما کور تیار کیا جاتا ہے۔ جس میں ہمیں گوند سے چپکا دیا جاتا ہے۔ اور آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ میرے گھر یعنی میری ڈبیہ پر بھی مسالہ کی پٹی سی لگائی جاتی ہے۔ لکڑی کی ماچس کی تیلیوں کے لیے یہ مسالہ ڈبیا کے دونوں طرف لگایا جاتا ہے اور بٹوا نما ماچسوں کے لیے اوپر کی طرف ایک مسالے کی لکیر۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب مجھے اس مسالے کی پٹی پر زور سے رگڑتے ہیں تو آگ کا شعلہ میرے منہ سے نکلتا ہے اور میں جلنے لگتی ہوں میں خود کو جلا کر آپ کو روشنی اور گرمی پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں۔ مجھے جس نے پہلی بار ایجاد کیا تھا، اس کا مقصد یہی تھا کہ آپ کو میری وجہ سے آسانی اور سہولت حاصل ہو۔

میں آپ کو ایک راز کی بات بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے اس صورت تک پہنچنے میں بہت عرصہ اور وقت لگا ہے۔ میرا سفر ہزاروں سال پہلے شروع ہوگیا تھا۔ میری کہانی تو بہت لمبی ہے، مگر میں آپ کو بہت مختصر کر کے سناتی ہوں۔ شاید آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب انسان کو نہ گھر بنانا آتا تھا، نہ کپڑے پہننا۔ نہ پکی ہوئی غذا کا اسے کوئی خیال تھا، نہ گرمی اور سردی کا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان آگ کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ انسان میں اور جانوروں میں بہت کم فرق نظر آتا تھا، مگر

پھر ایسے انسان پیدا ہوئے جنھوں نے دیکھا کہ جب جنگلوں میں ہوا کا کوئی زوردار طوفان آتا ہے تو بڑے بڑے درختوں کی شاخیں ایک دوسرے سے اتنی زور سے رگڑ کھاتی ہیں کہ ان میں آگ لگ جاتی ہے۔ یہ آگ سارے جنگل میں پھیل جاتی ہے اور بڑے بڑے درخت دھڑا دھڑ جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ آسمان اور زمین آگ کی لپٹ، تیزی اور دھوئیں سے بھر جاتے ہیں اور جنگلوں کے جانور اس سے پریشان ہو کر بھاگنے لگتے ہیں۔ پھر اچانک بادل اٹھتے ہیں اور بارش ہونے لگتی ہے اور یہ آگ بجھ جاتی ہے۔ انسان نے اس طرح یہ محسوس کیا کہ جب بھی آگ لگتی ہے تو گرمی اور تیزی کی وجہ سے ہر چیز جل جاتی ہے، مگر ٹھنڈک کم ہو جاتی ہے۔ اس نے سردی کے زمانے میں اس آگ کی گرمی سے جو راحت محسوس کی، اس کی وجہ سے وہ آگ کے کھیل کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ انسان نے آگ کو خود پیدا کرنا کب سے سیکھا؟ لیجیے یہ بھی میں بتائے دیتی ہوں۔ جب انسان نے پتھر کا استعمال سیکھا اور اس سے ہتھیار، اوزار اور ضرورت کی بعض دوسری چیزیں بنانی شروع کیں۔ اور یہ بھی بس ایک اتفاق تھا کہ جب اس نے پتھر کا کوئی ہتھیار بنانے کے لیے ایک پتھر کو دوسرے پتھر پر زور سے رگڑا اور اس سے آگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں تو وہ بہت حیران ہوا۔ پھر اس نے سوکھی پتیوں اور پتلی پتلی لکڑیوں اور تنکوں کو جمع کیا، ان کو پتھر رگڑ کر آگ دکھائی اور جب پتّے اور لکڑیاں جلنے لگیں تو اسے آگ پیدا کرنے کا راز معلوم ہو گیا۔ آج بھی وہ انسان جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے ہیں، آگ جلانے کے لیے وہ پتھر ہی استعمال کرتے ہیں جسے "چقماق" کہتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ آگ کی دریافت نے انسان کو کتنے فائدے پہنچائے۔ نہیں معلوم؟ یہ بھی مجھی سے سنیے۔ اس نے جانوروں کے گوشت کو اس پر بھوننا

سیکھا، زمین سے اگنے والے اناج کو اس پر پکانا سیکھا۔ برتن ایجاد کیے، چولہے گرم کیے، طرح طرح کی غذائیں پکا کر کھانے کا شوق انسان کو ہوا۔ گویا آگ انسانی تہذیب اور ترقی کا پہلا زینہ ثابت ہوئی۔ یہ اس کی ابتدائی ترقی تھی، مگر انسان کی اصلی ترقی کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب اس نے بہت سی چیزوں کی خاصیت معلوم کر لی اور زمین پر پیدا ہونے والی کچھ مفید چیزوں کو معلوم کر لیا۔ ان دریافتوں نے اس کے بہت سے کام آسان کر دیے۔ انسان نے سب سے پہلے جو چیزیں دریافت کیں، ان میں گندھک، پوٹاس، گوند وغیرہ چیزیں شامل تھیں۔ پھر تیزاب کی دریافت ہوئی۔ اور بھی دوسری نئی نئی چیزیں دریافت ہوتی گئیں اور انسان کو میری ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی۔

جب یہ منزل آئی تو انسان نے پہلی بار میرے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ کیا ایسی کوئی چیز ایجاد کی جا سکتی ہے، جسے انسان ہر جگہ، ہر وقت اور ہر کام کے لیے آسانی سے استعمال کر سکے؟ اور پھر ان سوچنے والوں نے "جنھیں سائنسدان اور عالم کہا جاتا ہے، مجھے پہلی بار دریافت کیا۔ مجھے آگ کی پہلی تیلی کہا گیا۔ میری اس پہلی شکل کے کنارے پر پوٹاشیم کلوریٹ، گوند اور کھانڈ ملا ہوا مسالہ لگا دیا جاتا تھا اور پھر اسے گندھک کے تیزاب میں ڈبو دیتے تھے تو آگ پیدا ہو جاتی تھی۔ پھر اسی ترکیب کو الٹا کر ایک نئی ایجاد کر لی گئی۔ وہ اس طرح کہ تیلی کو پہلے گندھک میں ڈبو دیا جاتا پھر اس پر پوٹاشیم کلوریٹ، اینٹی منی سلفائیڈ اور زرد فاسفورس کا آمیزہ چڑھا دیا جاتا تھا اور جب ان تیلیوں کو کسی کھردری اور پتھریلی جگہ پر رگڑا جاتا تو آگ پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر یہ طریقے بہت خطرناک تھے۔ یہ تیلیاں معمولی سی رگڑ سے جل اٹھتیں اور بہت نقصان پہنچاتی تھیں۔

سچی بات بتاؤں؟ بات یہ ہے کہ میرا اصلی وجود اس وقت تیار ہوا جب

ماچس یا دیا سلائی تیار ہونی شروع ہوئی۔ میرا اصلی رنگ روپ اس طرح تیار ہوا کہ میرے ایک سرے پر انٹی منی سلفائیڈ، پوٹاشیم کلوریٹ اور سرخ وارنش کا آمیزہ لگایا گیا اور اس کے ساتھ ہی ڈبیہ کے دونوں طرف یا سامنے سرخ فاسفورس، انٹی سلفائیڈ اور پسے ہوئے شیشے اور سریش کے آمیزہ کا لیپ کر دیا گیا۔ پھر جب مجھے اس لیپ پر رگڑا گیا تو فوراً آگ پیدا ہو گئی۔ ماچس کی اس ایجاد سے آگ بھڑکنے کا خطرہ بھی کم ہو گیا اور ماچس جلانے اور ہر جگہ استعمال کرنے کی آسانی بھی پیدا ہو گئی۔ اس طرح میرا وجود تمام دنیا کے لیے لازمی اور ضروری ہو گیا۔

تو آپ نے دیکھا کہ میرا ننھا سا وجود آپ کے لیے اور ساری دنیا کے لیے کتنا اہم ہے۔ میں ہوں ماچس کی ایک چھوٹی سی تیلی۔

مشق

1- انسان کو آگ کی ضرورت کیوں ہوئی؟

2- سب سے پہلے ماچس کس طرح تیار ہوئی؟

3- ماچس کے مسالے میں کیا کیا چیزیں ملائی جاتی ہیں؟

4- ان لفظوں سے جملے بنائیے:-

انقلاب - عذاب - چقماق - ایجاد - رگڑ - حرارت - آغاز

5- جنگل کے بعد "وں" بڑھا کر جمع بنائی گئی ہے جنگلوں۔ آپ بھی اسی طرح جمع بنائیے:-

	کھیت
انسان	گیدڑ
حیوان	ضرورت
ہرن	پتھر
پروانہ	اینٹ

لطیفے

(۱) ایک دیہاتی نے کبھی ریل کا سفر نہیں کیا تھا۔ ایک بار اُسے شہر جانے کے لیے ریل پر بیٹھنا تھا۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ ریل میں کیسے جاتے ہیں؟ اس آدمی نے بتایا کہ ٹکٹ خرید لو اور ریل میں بیٹھ جاؤ۔ دیہاتی نے کبھی ریل کا ٹکٹ بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو بس ڈاک کے ٹکٹ کو جانتا تھا۔ وہ ڈاکخانے گیا اور بیس پیسے کا ٹکٹ خرید کر ریل میں بیٹھ گیا۔ اُس نے سوچا کہ مَیں نیا آدمی ہوں، کہیں کوئی ریل سے اُتار نہ دے، اِس لیے ٹکٹ کو اپنے ماتھے پر چپکا لیا۔ جب ٹکٹ بابو آیا تو اُس نے ہر مسافر سے ٹکٹ مانگا۔ دیہاتی کی باری آئی تو اُس نے اپنا مُنہ اُوپر کر دیا تاکہ ٹکٹ بابو ماتھے پر چپکا ہُوا ٹکٹ دیکھ لے۔ ٹکٹ بابو نے پھر ٹکٹ مانگا۔ دیہاتی نے پھر مُنہ اوپر کر دیا۔ ٹکٹ بابو نے غصّے سے کہا: "ٹکٹ نکالتا ہے یا بُلاؤں پولیس کو؟"

دیہاتی کو بھی بڑا غصّہ آیا۔ اُس نے کہا: "تم اندھے ہو، دیکھتے نہیں ٹکٹ میرے ماتھے پر لگا ہُوا ہے۔" ٹکٹ بابو نے آستین چڑھا کر ایک مُکّا دیہاتی کے ماتھے پر مارا۔ دیہاتی نے کہا: "تم مُجھے مارتے کیوں ہو؟" ٹکٹ بابو نے جواب دیا: "مارتا نہیں ہوں ٹکٹ پر مُہر لگا رہا ہُوں۔"

---

(۲) ایک بار ایک زمیندار بہت بیمار ہُوا۔ ایک اچّھے ڈاکٹر کو علاج کے لیے بُلایا۔ اُس نے مریض کو دیکھ کر کہا: "فِکر نہ کیجیے آپ اچّھے ہو جائیں گے۔ کسی کو میرے ساتھ بھیج دیجیے، دوا دے دوں گا۔" زمیندار نے اپنے ملازم کو (جو نہایت بے وقوف تھا) ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کر دیا۔ ڈاکٹر نے دوا دے کر کہا: "اِسے دن میں چار دفعہ پلانا ہے، مگر پلانے

سے پہلے خوب ہلا لینا"۔ ملازم دوا لے کر آیا تو اُس نے زمیندار کو خوب ہلایا اور پھر دوا پلا دی۔ زمیندار بوڑھا بھی تھا اور بیماری سے کمزور بھی ہو گیا تھا۔ دِن میں چار دفعہ جب اُسے خوب ہلایا گیا تو اُس کی حالت اور بھی خراب ہوگئی۔ ڈاکٹر کو پھر بُلایا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ مریض کی حالت اچھی ہونے کے بجائے اَور خراب ہوگئی ہے۔ اُس نے ملازم سے پوچھا کہ تم نے دوا کیسے دی تھی؟ ملازم نے کہا: "جی جیسے آپ نے بتایا تھا۔ میں پہلے سرکار کو خوب ہلاتا ہُوں، پھر دوا پلاتا ہوں"۔

ڈاکٹر نے اپنا سَر پیٹ لیا اور کہا: "بندے خُدا کے، مَیں نے دوا کو ہِلانے کو کہا تھا، مریض کو نہیں"۔

---

(۳) ایک بار زمیندار نے اسی ملازم کو دو سو روپے دیے اور اُس کے گاؤں سے اصلی گھی کا ایک کنستر منگوایا۔ سردی کا اِبتدائی زمانہ تھا، گھی کنستر میں جم گیا تھا۔ جب ملازم کنستر سر پر رکھ کر شہر کی طرف روانہ ہُوا تو دُھوپ نکل آئی۔ اس کی گرمی سے گھی پگھل گیا اور ہِلنے کی وجہ سے اُس میں ڈب ڈب کی ایک آواز آنے لگی۔ بیوقوف ملازم کی سمجھ میں یہ بات تو نہیں آئی کہ یہ آواز کیوں اور کیسے پیدا ہو رہی ہے۔ وہ سمجھا کہ جس بنیے نے یہ گھی دیا ہے وہ بے ایمان تھا اور گھی کے بجائے کنستر میں خود بیٹھ گیا ہے۔ اُسے بہت غصّہ آیا اور کہنے لگا: "اچھا بچُو! تم خود کنستر میں بیٹھے ہو اور اب لاتیں مار رہے ہو، دیکھو گھر چل کر تمھاری کیسی گت بناتا ہُوں"۔ پھر بھی جب یہ آواز بند نہ ہوئی تو اُسے بہت غصّہ آیا اور گھی کا کنستر ایک تالاب میں یہ کہہ کر پھینک دیا کہ "لو اب بے ایمانی کی سزا بُھگتو" اور خالی ہاتھ گھر آ کر زمیندار کو سارا قِصّہ سنایا۔ زمیندار بے چارہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ دو سو روپے بھی ہاتھ سے گئے اور گھی بھی گیا۔ مگر کیا کرتا، ملازم کی بے وقوفی پر صبر کر کے رہ گیا۔

---

(۴) رات کے وقت ایک شخص موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔ سامنے سے ایک کار آ رہی تھی۔ موٹر سائیکل سیدھی جا کر کار سے ٹکرا گئی۔ موٹر سائیکل ٹوٹ پھوٹ گئی اور وہ شخص بہت زخمی ہو گیا۔ جب پولیس والوں نے اُس سے پوچھا: "تم کو اتنی بڑی کار نظر نہیں آ رہی تھی جو تم اس سے ٹکرا گئے۔" تو اُس نے جواب دیا: "مَیں یہ سمجھا کہ سامنے سے دو موٹر سائیکلیں برابر برابر آ رہی ہیں۔ مَیں نے سوچا کہ اِن دونوں کے بیچ میں سے نکل جاؤں گا، مگر....."

---

(۵) مرزا غالب آموں کے بہت شوقین تھے۔ ایک بار وہ آم کھا رہے تھے۔ اُن کے ایک ملنے والے، جو آم پسند نہیں کرتے تھے، پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اِتفاق سے اُسی وقت مکان کے سامنے سے ایک گدھا گزرا۔ آم کے چھلکے زمین پر پڑے تھے۔ گدھے نے اُنھیں سُونگھا اور چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ مرزا غالب کے دوست نے کہا: "دیکھیے مرزا صاحب! آم ایسا خراب پھل ہے کہ اِسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔" مرزا نے فوراً جواب دیا: "جی ہاں ! گدھے آم نہیں کھاتے۔"

---

(۶) ایک بار کچھ چور رات کو چوری کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں اُنھیں شیخ چلّی مِل گئے۔ چوروں نے اُن سے کہا "چلو ہمارے ساتھ۔" شیخ چلّی اُن کے ساتھ ہو لیے۔ چوروں نے ایک مکان میں نقب لگائی اور شیخ چلّی سے کہا: "ٹوکری لا کر مٹّی ہٹا دو۔" شیخ چلّی سیدھے مکان کے دروازہ پر پہنچ کر چلّا کر کہنے لگے: "ٹوکرا دے دو، چوروں نے نقب لگائی ہے، مٹّی ہٹانا ہے۔" گھر والے جاگ گئے اور چور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

---

(۷) دوسری رات چوروں کو پھر شیخ چلّی ملے۔ اُنھوں نے شیخ چلّی کو خوب ڈانٹا کہ تم نے کل کام خراب کر دیا تھا اب ہرگز شور نہ کرنا۔ شیخ چلّی نے وعدہ کر لیا۔ اِس بار وہ سب ایک گھر میں سنّاٹا دیکھ کر اندر کُود گئے۔ وہ گھر ایک غریب بُڑھیا کا تھا جس کے پاس کچھ نہ

تھا۔ بڑھیا سو رہی تھی، مگر اس نے رس کی کھیر پکانے کے لیے چولھے پر پتیلی چڑھا رکھی تھی چوروں نے کہا: "آج بھی محنت ضائع ہو گئی، آؤ کھیر ہی کھائیں۔" چور کھیر کھانے لگے۔ جب شیخ چلّی کی باری آئی تو اُس نے دیکھا کہ بڑھیا نے سوتے میں ایک ہاتھ آگے کو پھیلا رکھا ہے۔ شیخ چلّی نے یہ کہہ کر کہ بیچاری بُڑھیا بھی کھیر مانگ رہی ہے اُس کے ہاتھ پر گرم گرم کھیر رکھ دی۔ بڑھیا زور زور سے چلّانے لگی اور چور بھاگ گئے۔

---

(۸) تیسری رات پھر شیخ چلّی اور چوروں کا ساتھ ہُوا۔ اب چوروں نے جس گھر میں نقب لگائی وہ ایک میراثی کا تھا جو ڈھول بجایا کرتا تھا۔ چوروں نے سامان باندھنا شروع کر دیا۔ کسی نے زیور اٹھائے کسی نے برتن، کسی نے کپڑے، کسی نے اناج۔ شیخ چلّی چُپکے کھڑے تھے۔ چوروں نے کہا: "شیخ چلّی! تم بھی اپنی پسند کی چیز لے لو۔" شیخ چلّی نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُنھیں کمرے کی چھت میں ڈھول لٹکا ہُوا نظر آیا۔ شیخ چلّی نے جھٹ ڈھول گلے میں ڈال کر بجانا شروع کر دیا۔ چور سر پر پیر رکھ کر بھاگے اور شیخ چلّی ڈھول بجاتے ہوئے اُن کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ تمام گاؤں والے اُٹھ گئے اور اُنھوں نے چوروں کو پکڑ لیا۔

مشق

۱۔ کسی رسالے یا کتاب سے اچھے اچھے لطیفے کاپی میں لکھیے۔

۲۔ رات کے وقت اپنے بہن بھائیوں میں بیٹھ کر لطیفے سُنائیے۔

۳۔ اِن لفظوں سے جُملے بنائیے:

ریل۔ ٹکٹ۔ علاج۔ مریض۔ اتفاق۔ نقب۔ سنّاٹا۔ محنت۔ میراثی۔ ڈھول۔



پیارے پھُول

کیا خوبصورت کیا خوشنما ہے — ہر پھُول کیسا پیارا بنا ہے
رنگت انوکھی، خوشبو نرالی — رنگین ساری پھولوں کی ڈالی
رنگین صُورت، رنگین بانا — ہر گُل انوکھا، ہر گل سُہانا
اُودے بھی ہیں کچھ، نیلے بھی ہیں کچھ — پیازی، بسنتی، پیلے بھی ہیں کچھ
کچھ پھُول کالے، کچھ پھول آبی — کچھ چمپئی ہیں اور کچھ گُلابی
کچھ گیندئی ہیں، کچھ زعفرانی — کچھ سُرمئی ہیں، کچھ آسمانی
بیلا، چنبیلی اور موتیا ہے — اک سمت شبّو اور موگرا ہے
نرگس بھی ہے اور گل چاندنی بھی — جوہی بھی ہے اور گل کیتکی بھی
ہیں مُسکراتے پھُولوں کے تختے — دِل کو لُبھاتے پھُولوں کے تختے
سج دھج کا اِس کی اب کیا ہے کہنا — کیاری نے پہنا پھُولوں کا گہنا
ایسے ہیں پیارے یہ پھُول سارے — جیسے فلک پر بکھرے ہوں تارے
جی چاہتا ہے دیکھا ہی کیجے — اور اُس خدا کا چرچا بھی کیجے
جس نے بنائے یہ پھُول پیارے
جس نے کھِلائے یہ غنچے سارے

نیّر

مشق

(۱) مختلف پھولوں کے نام کاپی میں لکھیے۔ نظم سے بھی مدد لیجیے۔
(2) اِس نظم میں جو جو رنگ بتائے گئے ہیں اُن رنگوں کے تراشے جمع کیجیے۔
(3) ہم معنی لفظ تلاش کیجیے، جیسے خوب صورت، خوشنما۔
(4) پانچ ہم آواز لفظوں کے جوڑے کاپی میں لکھیے جیسے آبی، گلابی۔

ترکیہ

ترکیہ کا مُلک ہم سے خاصا دُور ہے مگر ہمارے دل سے بہت قریب ہے، کیونکہ وہاں ہمارے تُرک بھائی آباد ہیں۔ ہمارے اور اُن کے تعلقات اور بھائی چارہ سینکڑوں برس سے چلا آ رہا ہے۔ وہ ہم سے اور ہم اُن سے بھائیوں جیسی محبّت کرتے ہیں۔

موجودہ ترکیہ کا زیادہ تر حِصّہ ایشیا میں ہے اور کم حصّہ یورُپ میں۔ ایک زمانہ تھا کہ ترک تین برِاعظموں پر حکومت کرتے تھے یورُپ، ایشیا اور افریقہ۔ ترکیہ کا جو علاقہ ایشیائی ہے اُسے ایشیائے کوچک بھی کہتے ہیں۔ اسی میں یہاں کا دارالسلطنت "انقرہ" واقع ہے۔ اب سے تقریباً چھ سو برس پہلے ترک سردار عثمان نے اِس علاقے میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ یہ حکومت اِسی نسبت سے "سلطنتِ عثمانیہ" کہلائی اور پانچ سَو سال کے قریب بڑی شان و شوکت سے قائم رہی۔

یورپ کی عیسائی سلطنتیں ترکیہ کی خاص طور پر دشمن تھیں اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی جھگڑا پیدا کرتی رہتی تھیں۔ ترک بڑے بہادر، جنگجو اور مُستقل مزاج ہوتے ہیں۔ انھوں نے یورپی طاقتوں کی مجموعی قوّت کا بڑی اچھی طرح مقابلہ کیا، لیکن جب ترک سلطنت کمزور ہو گئی تو اُن کو ناکامی ہونے لگی۔ بلقان کی ریاستیں ترکی حکومت سے نکل گئیں۔ پھر مصر پر انگریزوں کا اثر ہو گیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد سارے عرب ممالک بھی عیسائیوں کی سازشوں کی بدولت تُرکوں سے چھن گئے اور خود اُن کے وطن پر یونانیوں اور انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔

ترکیہ کے نوجوانوں کی "انجمن اتحاد" نے اس وقت بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ ان کے پاس نہ ہتھیار تھے اور نہ طاقت۔ مگر اُنھوں نے ہمّت کی اور ایک مرکز پر جمع ہو کر پہلے یونانیوں کو شکست دی اور پھر انگریزوں کو استانبول اور آبنائے باسفورس سے نکال باہر کیا۔ اس وقت ان مجاہد

ترکوں نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی سرداری میں اپنی آزادی کا اعلان کیا اور اپنی نئی آزاد حکومت قائم کی۔ خدا کے فضل سے اس دن سے جدید ترکیہ کی جمہوری حکومت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور ترکیہ اب ایک طاقتور اسلامی مُلک ہے۔

ترک قوم اعلیٰ اخلاق رکھتی ہے، مہمان نواز ہے، سچائی، دیانت داری، ملک سے محبت، محنت، ہمدردی، قربانی اور شجاعت اُن کے بچے بچے میں پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے ہر کام میں ملک کی محبت اور قوم کی خدمت کا خاص لحاظ رکھتے ہیں، اس لیے ملک نے بہت تھوڑے سے عرصے میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اب یہاں تعلیم، کارخانے، زراعت، صنعت و حرفت، سائنس سب ترقی پر ہیں اور ترکیہ کا شمار طاقتور مُلکوں میں کیا جاتا ہے۔

ترکیہ کی سرزمین کئی قوموں کی حکومتوں کا مرکز رہی ہے، اس لیے یہاں رومیوں سے بھی پہلے زمانے کی یادگاریں ملتی ہیں۔ اسی طرح رومیوں اور مسلمانوں کے زمانے کی عمارتیں محلّات اور مسجدیں دیکھنے کے لائق ہیں، اس لیے یہاں ہر سال ہزاروں لاکھوں سیّاح آتے رہتے ہیں، جس سے مُلک کو بڑی آمدنی ہوتی ہے۔

ترکیہ کا دارالسلطنت انقرہ ہے جو پچھلے پچاس برس سے بہت خوبصورت شہر بن گیا ہے، مگر یہاں کا سب سے بڑا شہر استانبول ہے۔ یہ شہر رومیوں کے زمانے سے ملک کا دارالسلطنت تھا اور اس کا نام قسطنطنیہ تھا۔ جب سلطان محمد فاتح نے اِسے فتح کیا تو بدل کر اِس کا نام استانبول رکھ دیا۔ اب پانچ سو برس سے اِس کا یہی نام ہے۔ بہت خوبصورت شہر ہے۔ سیّاح اِسے "جادو کا شہر" اور "مسجدوں کا شہر" کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ اِتنی مسجدیں کہیں نہیں، جتنی اِس شہر میں پائی جاتی ہیں اور سب ایک سے ایک بڑی اور ایک سے ایک خوبصورت، باہر سے دیکھنے میں نہایت شاندار اور اندر سے خوب سجی ہوئی۔ دوسرے بڑے شہروں میں بھی ایسی ہی عمدہ مسجدیں ہیں مگر استانبول کی مسجدیں سب سے بڑی اور شاندار ہیں۔

استانبول، خلیج باسفورس کے کناروں پر دونوں طرف آباد ہے۔ ابھی چند سال ہوئے ترکیہ کی حکومت نے باسفورس پر عظیم الشان پُل بنا کے سمندر کے دونوں کناروں کی آبادی کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور اِس طرح ایشیا اور یورپ کو ملا دیا ہے۔ استانبول میں دو شاہی محل دیکھنے کے قابل ہیں: "طوپ قپوسرای اور دولمہ باغچہ سرای" طوپ قپوسرای میں بہت بڑا عجائب خانہ ہے جس میں شاہی زمانے کی تمام چیزوں اور یادگاروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ شاہی تخت، لباس، سونے چاندی کا سامان، کھانے کے برتن، آرائش کا سامان، غرض شاہی محلات کی ساری چیزیں، جواہرات اور زیورات تک یہاں جمع ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ مقدس اور متبرک تبرکات ہیں، جو تمام مسلمانوں کی عقیدت اور محبت کا مرکز ہیں۔ اس میں بڑی نادر اور مقدس یادگاریں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمِ مبارک، پیراہن مبارک، وہ دانت جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے، کئی موئے مبارک، حضورؐ کا تیر و کمان، خلفائے راشدین کی تلواریں، خانہ کعبہ کا پرانا دروازہ اور پرانے پردے، قرآنِ عظیم کا وہ نسخہ جس کا مطالعہ کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں ایسی جتنی بھی مقدس یادگاریں ہیں اُن میں یہ سب سے زیادہ معتبر اور مُستند ہیں۔

استانبول کی جامع سُلطان احمد، جامع سلیمان اعظم، جامع بایزید قابلِ دید عمارتیں ہیں۔ یہاں ایک بازار ہے جو شروع سے آخر تک چھت سے پٹا ہوا ہے، یعنی چھتہ بازار یا مسقف بازار ہے۔ دنیا بھر میں کہیں اِتنا بڑا بازار نہیں ہے۔ سوئی دھاگے سے لے کر ہیرے جواہرات اور فرش فروش تک دنیا کی ہر چیز اچھی سے اچھی اور قیمتی سے قیمتی آپ یہاں سے خرید سکتے ہیں۔ یورپ کے ملکوں سے بہت لوگ صرف خریداری کے لیے یہاں آتے ہیں۔ جو چیز کہیں نہ ملے وہ یہاں مِل جاتی ہے۔ باہر برف پڑ رہی ہو یا سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی ہو، جتنی دیر آپ چھتہ بازار میں وقت گزاریں گے

استانبول، خلیج باسفورس کے کناروں پر دونوں طرف آباد ہے۔ ابھی چند سال ہوئے ترکیہ کی حکومت نے باسفورس پر عظیم الشان پُل بنا کے سمندر کے دونوں کناروں کی آبادی کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور اس طرح ایشیا اور یورپ کو ملا دیا ہے۔ استانبول میں دو شاہی محل دیکھنے کے قابل ہیں۔ "طوپ قپو سرای اور دولمہ باغچہ سرای"

طوپ قپو سرای میں بہت بڑا عجائب خانہ ہے جس میں شاہی زمانے کی تمام چیزوں اور یادگاروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ شاہی تخت، لباس، سونے چاندی کا سامان، کھانے کے برتن، آرائش کا سامان، غرض شاہی محلات کی ساری چیزیں، جواہرات اور زیورات تک یہاں جمع ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ مقدّس اور متبرک تبرکات ہیں، جو تمام مسلمانوں کی عقیدت اور محبّت کا مرکز ہیں۔ اس میں بڑی نادر اور مقدّس یادگاریں ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا علمِ مبارک، پیراہن مبارک، وہ دانت جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے، کئی موئے مبارک، حضور ؐ کا تیر و کمان، خلفائے راشدین کی تلواریں، خانہ کعبہ کا پرانا دروازہ اور پرانے پردے، قرآنِ عظیم کا وہ نسخہ جس کا مطالعہ کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں ایسی جتنی بھی مقدّس یادگاریں ہیں اُن میں یہ سب سے زیادہ معتبر اور مستند ہیں۔

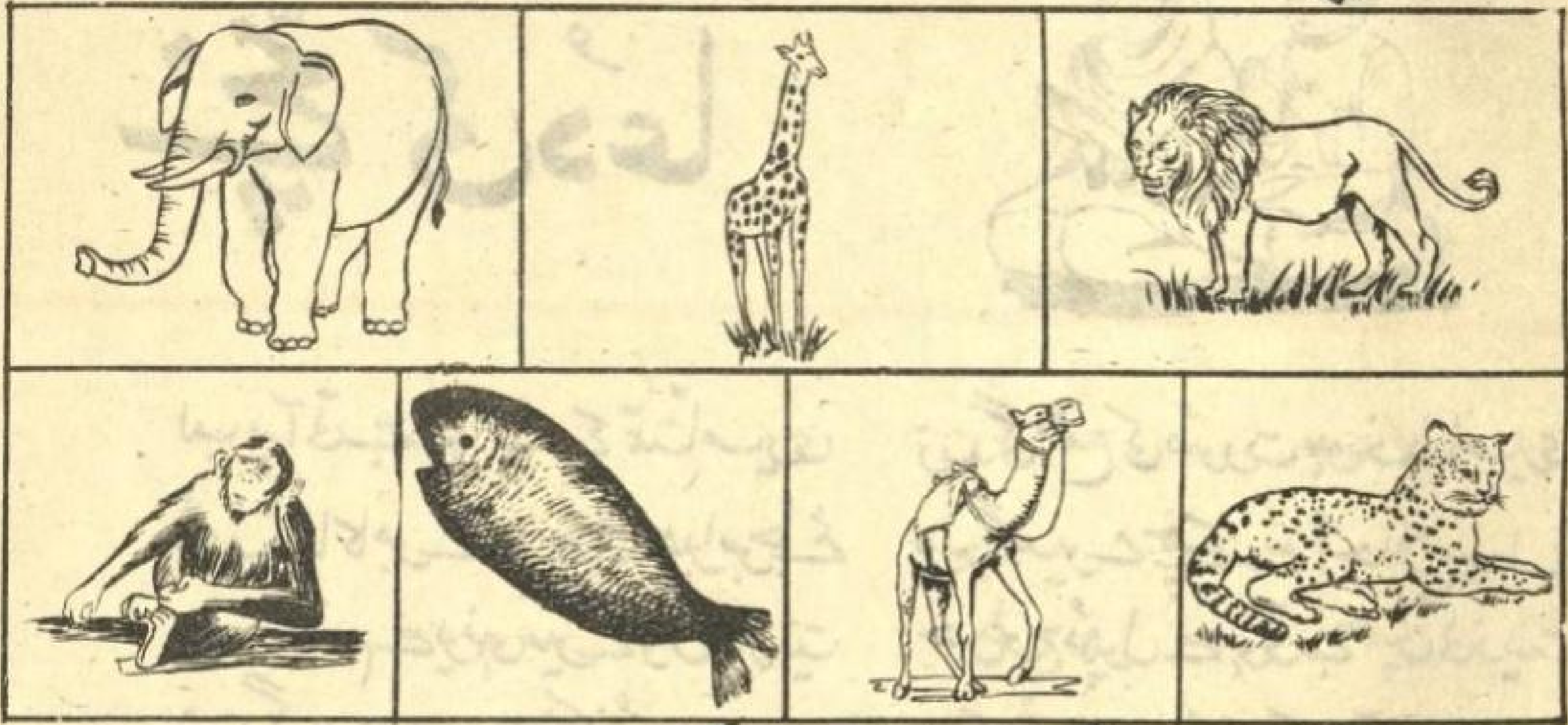
استانبول کی جامع سُلطان احمد، جامع سلیمان اعظم، جامع بایزید قابلِ دید عمارتیں ہیں۔ یہاں ایک بازار ہے جو شروع سے آخر تک چھت سے پٹا ہُوا ہے، یعنی چھتّہ بازار یا مسقّف بازار ہے۔ دنیا بھر میں کہیں اتنا بڑا بازار نہیں ہے۔ سوئی دھاگے سے لے کر ہیرے جواہرات اور فرش فروش تک، دنیا کی ہر چیز اچھی سے اچھی اور قیمتی سے قیمتی آپ یہاں سے خرید سکتے ہیں۔ یورپ کے ملکوں سے بہت لوگ صرف خریداری کے لیے یہاں آتے ہیں۔ جو چیز کہیں نہ ملے وہ یہاں مل جاتی ہے۔ باہر برف پڑ رہی ہو یا سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی ہو، جتنی دیر آپ چھتّہ بازار میں وقت گزاریں گے

آپ کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ باہر کیسا سخت موسم ہے۔

ترکیہ تین سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ بحیرہ روم، بحیرہ خزر اور بحیرہ مارمارا۔ اِس لیے یہاں ساحلوں پر کئی بڑے اور خوبصورت شہر آباد ہیں۔ یہاں موسم بھی بہت خوشگوار رہتا ہے۔ پھل بھی ہر طرح کے بڑی کثرت سے ہوتے ہیں اور سرسبزی و شادابی بھی ایسی ہے کہ سیاح دیکھ کر پکار اُٹھتے ہیں کہ ہم نے اِس سے زیادہ خوبصورت، سرسبز اور دلکش مقام نہیں دیکھا۔ ازمیر اور برسہ ایسے ہی ساحلی شہر ہیں۔ یہاں کی شادابی، ہریالی اور خوبصورتی دور دور سے سیّاحوں کو کھینچ کر لاتی ہے۔

مسلمانوں میں ہمیشہ سے برادری اور اخوّت کا ایسا رِشتہ قائم ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ساری دُنیا کے مسلمان ایک دوسرے کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اپنے اِسی تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے جولائی ۱۹۶۴ء میں ترکیہ، ایران اور پاکستان کے سربراہ، ترکیہ کے مشہور شہر استانبول میں جمع ہوئے اور انھوں نے ایک معاہدہ کیا جسے "معاہدۂ استانبول" کہتے ہیں۔ اِسے علاقائی ترقی کا معاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اِس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی دنیا کے یہ تین بڑے مُلک آپس میں ایسے پروگرام بنا کر عمل کریں جن سے تینوں مُلکوں کے عوام کی زندگی بہتر ہوتی رہے اور اِس معاہدے کی رُو سے تینوں مُلک مل کر ایک دوسرے کی ترقی میں حصّہ لیتے رہیں۔ اِس معاہدے پر بہت کامیابی سے عمل کیا جارہا ہے۔ دنیا بھر کے اِسلامی مُلکوں میں اِس مُعاہدے کی تعریف کی گئی ہے۔ اِس کی وجہ سے اسلامی دنیا میں زرعی، تجارتی اور صنعتی ترقی کا ایک نیا باب کھُل گیا ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ اِسلامی مُلکوں کے وسائل ایک دوسرے کے کام آئیں اور اِس طرح اِن سب کی صنعتی ترقی کی رفتار تیز ہوجائے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کے لیے دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ یہ معاہدہ اسلامی دنیا کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

پہچانیے اور بتایئے



کیا آپ جانتے ہیں کہ

اُوپر کی تصویریں کون کون سے جانوروں کی ہیں؟

اچھا یہ بتایئے اِن میں، (اپنے اُستاد صاحب کی مدد سے جواب لکھیے)

۱۔ سب سے تیز دوڑنے والا جانور کونسا ہے؟ 5۔ خشکی کا جہاز کہلانے والا جانور کونسا ہے؟

2۔ سب سے لمبی گردن والا جانور کونسا ہے؟ 6۔ اِنسان سے ملتا جُلتا بندر کی نسل کا جانور کونسا ہے؟

3۔ خشکی پر رہنے والا سب سے بڑا جانور کونسا ہے؟ 7۔ سمندر میں رہنے والا جانور کونسا ہے؟

۴۔ بلّی کی نسل کا سب سے بڑا جانور کونسا ہے؟

مشق

معلومات کا مقابلہ.... ہر سوال کے ۱۰ نمبر ہیں

اپنی اِن معلومات کو صفحہ پر دیے ہوئے جوابات سے ملایئے۔

جس نے ۷۰ نمبر حاصل کیے اُس کی معلومات بہترین ہیں، جس نے ۶۰ نمبر حاصل کیے اُس کی معلومات عمدہ ہیں، جس نے ۵۰ نمبر حاصل کیے اُس کی معلومات اچھی ہیں، جس نے ۴۰ نمبر حاصل کیے اُس کی معلومات غنیمت ہیں، جس نے ۴۰ سے کم نمبر حاصل کیے اُس کی معلومات ناقص ہیں۔

جوابات:- ۱۔ شیر 2۔ زرافہ 3۔ ہاتھی ۴۔ چیتا 5۔ اونٹ 6۔ وھیل 7۔ گوریلا

بچّے کی دُعا



لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صُورت ہو خدایا میری

دُور دُنیا کا مرے دَم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پُھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صُورت یارب
علم کی شمع سے ہو مُجھ کو محبّت یارب

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبّت کرنا

میرے اللہ بُرائی سے بچانا مُجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مُجھ کو

اقبالؒ

مشق

۱- بچّہ اپنی دُعا میں اللہ سے کیا کیا مانگتا ہے؟

2- کتاب ختم ہونے پر سب بچّے مِل کر دُعا مانگیں :-

یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہمیں توفیق دی۔ ہم نے پڑھنا لکھنا سِیکھا۔ آج ہم نے اپنی پانچویں کتاب ختم کر لی ہے۔ اے ہمارے مالک! تُو ہم سب کو اِمتحان میں کامیاب کر!

اے ہمارے پیدا کرنے والے! ہمیں اچھّے کاموں کی توفیق دے اور ہمیں لائق بنا۔ ہمارے پالنے والے! ہمارے اُستادوں اور ساتھیوں کو صحت، سلامتی اور خوشحالی عطا فرما۔ پروردگار! ہماری دُعا قبول فرما! آمین

تیار کردہ: بلوچستان ٹیکسٹ بُک بورڈ کوئٹہ - منظور شدہ : محکمۂ تعلیم
حکومت بلوچستان بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ بلوچستان
بمطابق نوٹیفکیشن نمبر 70 - 14-12/72 EII/8068 مورخہ 29 ستمبر 1975ء
قومی کمیٹی برائے جائزۂ کُتبِ نصاب کی تصحیح شدہ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کِشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سرزمین کا نظام قُوّتِ اُخُوّتِ عوام
قوم، مُلک، سَلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد
پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

25075

سیریل نمبر

کوڈ نمبر U-V/6

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	تعداد اشاعت	قیمت
جنوری 1982	اوّل	32,000	5.55